جلد ۸۱ جولائی ۱۹۷۴ء عدد ۵

ماہنامہ

# ترجمان القرآن

مرتبہ

ابوالاعلیٰ مودودی

ادارہ ترجمان القرآن اچھرہ لاہور

# ترجمان القرآن لاہور

# فہرست مضامین

| عدد ۵ | جولائی ۱۹۷۴ء مطابق جمادی الآخرۃ ۱۳۹۴ھ | جلد ۸۱ |
|---|---|---|


اشارات

رسالتِ محمدیؐ پر ایمان کی دعوت — ابو الاعلیٰ مودودی — ۹

عبدالحمید صدیقی — ۲

مقالات

مسلم قادیانی اختلاف کی حقیقی نوعیت — ملک غلام علی — ۲۳

مطبوعات — عبدالحمید صدیقی — ۳۸


---


ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

۵-اے ذیلدار پارک ، اچھرہ - لاہور

زرِ سالانہ بارہ روپے - فی پرچہ ۱/۲۵ روپیہ

ابوالخیر مودودی پبلشر نے پاکستان پرنٹنگ ورکس لاہور میں چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے

شائع کیا - پرنٹر: محمد شفیع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# اشارات

اِن دنوں جب کہ قادیانی مسئلہ نے مسلمانوں کے اندر شدید اضطراب پیدا کر رکھا ہے اور وہ اس کے حل کے لیے سخت بیتاب نظر آتے ہیں بعض غیر ملکی جو ملّت اسلامیہ کے مزاج، اس کے عناصرِ ترکیبی، اس کے مذہبی احساسات سے ناواقف ہیں، مگر دنیائے اسلام کے مسائل سے کسی قدر دلچسپی رکھتے ہیں، اس مسئلہ کو سمجھنے کے لیے مختلف لوگوں کی طرف رجوع کر رہے ہیں۔ ان حضرات کی گفتگو سننے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ قادیانی پراپیگنڈے سے خاصے متاثر ہیں لیکن اس تاثر کی وجہ یہ نہیں کہ قادیانیوں کے دلائل وزنی ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ مغربی تہذیب کے اندر رہ کر مذہب اور قومیت کے بارے میں ان کا جو زاویۂ نگاہ بن چکا ہے اس سے وہ اسلام کے اصل موقف کو صحیح طور پر جان ہی نہیں سکتے۔ انہیں یہ بات تو آسانی کے ساتھ سمجھ میں آسکتی ہے کہ اگر ان کے وطن کا کوئی دشمن اس کی سرحدوں پر حملہ کرے تو اسے پوری قوت سے نیست و نابود کر دیا جائے یا ان کے اپنے معاشرے کا کوئی فرد یا گروہ اُن کے ملک کے خلاف کوئی سازش کرے تو اسے گولی سے اڑا دیا جائے لیکن یہ بات ان کی سمجھ سے بالاتر ہے کہ کوئی قوم کسی مذہبی عقیدے پر چوٹ پڑنے سے تلملا اُٹھے اور اس کے تحفظ اور دفاع کے لیے اپنی ملکی سرحدوں کی حفاظت سے زیادہ بیتاب دکھائی دے۔ چنانچہ جب بھی کسی غیر ملکی سے اس موضوع پر تبادلہ خیالات ہوا ہے اُسے قریب قریب اسی قسم کی الجھن میں گرفتار پایا ہے۔ وہ اپنی اس ذہنی اُلجھن کے اظہار کے لیے خواہ کوئی انداز بیان اختیار کرے مگر اس بات پر اسے سخت حیرت ہوتی ہے کہ عقیدے کا اختلاف لوگوں کے مابین وجہ افتراق بن جائے اور اس اختلاف کی وجہ سے کوئی قوم اپنی ہی نسل اور اپنے ہی وطن سے تعلق رکھنے والے افراد کو اپنے جسد سے الگ کرنے پر نہ صرف مُصر ہو بلکہ اسی میں اپنی عافیت اور اپنے دین اور ایمان کی عافیت سمجھتی ہو۔

---

اہل مغرب کا یہ استعجاب کوئی نیا نہیں۔ دنیا کی وہ قومیں جن کی اجتماعیت کا خمیر، رنگ، وطن، نسل اور زبان

کے امتیازات سے اُٹھایا گیا ہے ان کے لیے عقیدہ کی اساس پر کسی اجتماعیت کا وجود ہمیشہ ناقابلِ فہم رہا ہے۔ آج سے چودہ سو برس پیشتر ابوجہل بھی حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرز فکر اور طرز عمل پر حیران اور ششدر تھا کہ بلال حبشیؓ، صہیبؓ رومی اور بصرہ سے تعلق رکھنے والے حسنؒ تو حضور کی اُمت کے عظیم افراد شمار کیے جائیں مگر ان کے مقابلے میں مکہ کی خاک سے جنم لینے والا قریش کا سردار اور حضور سرور دو عالم کی برادری کا فرد کافر اور زندیق کہلائے۔ یہ بات جس طرح ابوجہل اور اس کے ساتھیوں کے لیے موجب حیرت تھی آج بھی اسلام کے تصورِ اجتماعیت سے ناواقفیت رکھنے والوں کے لیے حیرانی کا باعث ہے۔ یہ اسی عدم واقفیت کا نتیجہ ہے کہ اسلام دشمن طاقتیں اسلام کے حصار میں بڑی ڈھٹائی کے ساتھ نقب لگا کر اُمت مسلمہ کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچاتی رہتی ہیں اور جب ملت اسلامیہ ان کی ان ریشہ دوانیوں پر مضطرب ہو کر انہیں ان سے باز رکھنے کی کوشش کرتی ہے تو وہ اپنی مظلومیت کی دہائی دینا شروع کر دیتی ہیں اور یہ واویلا خاص طور پر ان حلقوں میں کیا جاتا ہے جو کسی مذہب کے اندر نقب زنی اور اس کے طریق کار اور کسی قوم کے لیے اس کے تباہ کن نتائج کا قطعاً کوئی شعور نہیں رکھتے۔ وہ زندگی کے کسی دوسرے معاملے میں خواہ رواداری کے بنیادی تصور سے بھی آشنا نہ ہوں مگر مذہب کے معاملے میں رواداری کے پرجوش مبلغ اور داعی ہوتے ہیں اور اسے انسانیت پر ایک صریح ظلم اور زیادتی خیال کرتے ہیں کہ عقیدے کا اختلاف کسی وجہ سے بھی انسانوں کے مابین وجہ نزاع بن جائے۔

---

قادیانی اور اسی طرح کے بعض دوسرے باطل گروہ چونکہ اہل یورپ کی اس نفسیاتی کمزوری کو اچھی طرح جانتے ہیں اس لیے مسلمان جب کبھی اپنے ملی تحفظ کے لیے تگ و دو شروع کرتے ہیں تو یہ گروہ مسلمانوں کو مطمئن کرنے کے بجائے اسلام دشمن طاقتوں کی پناہ اور سہارا ڈھونڈنے لگتے ہیں، اور دروغ گوئی سے کام لیتے ہوئے انہیں یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان بے بسوں اور مسکینوں پر مذہب کے معاملے میں محض جزوی اختلاف کی بنا پر مظالم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں۔ اس لیے انسانیت کے بہی خواہوں کا فرض ہے کہ وہ ان مذہبی دیوانوں کے خلاف جتھہ بندی کر کے انہیں تباہ کرنے کی فکر کریں کیونکہ اس مرحلہ پر اگر انہیں نہ روکا گیا تو پھر رواداری اور آزادی کا دنیا میں نام و نشان باقی نہ رہے گا۔ قادیانیوں نے اس وقت اپنی صفائی میں جو زبردست مہم شروع کر رکھی ہے اس کا اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس ساری مہم

میں ان حلقوں کو بالکل نظر انداز کیا گیا ہے جو مسلمانوں اور قادیانیوں کے اختلافات کی اصل نوعیت کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ قادیانیوں کا روئے سخن یا تو مسلم معاشرے کے ان بے دین عناصر کی طرف ہوتا ہے جو اسلام کے پیچھے پہلے ہی سے ہاتھ دھو کر پڑے ہوئے ہیں اور اسے مٹا دینے کا ناپاک عزم رکھتے ہیں۔ اس لیے وہ اس باطل گروہ کی خود اس سے بڑھ کر وکالت کرتے ہیں۔ انھیں اس بات کا اچھی طرح علم ہے کہ عقیدے کے اختلاف کی وجہ سے جب انسان اور انسان کے مابین امتیازات ختم ہونے لگیں تو پھر دینی حمیت کا جنازہ نکل جاتا ہے اور قوم مذہبی اعتبار سے راکھ کا ڈھیر بن جاتی ہے جسے باطل کی آندھیاں جس طرف چاہتی ہیں بڑی آسانی کے ساتھ اُڑا کر لے جاتی ہیں۔ اسی مقصد کے حصول کے لیے یہ اسلام دشمن طاقتیں برسوں سے ہاتھ پاؤں مار رہی ہیں۔

---

مسلم ممالک اور مسلم معاشرے سے باہر نکل کر یہ لوگ کفر کے ہر دروازے پر کھڑے ہو کر بڑے جذباتی انداز میں اپنی مظلومیت اور بے بسی کی جھوٹی داستانیں سنانے اور مسلمانوں کے خلاف کفار کے جذبات کو بھڑکانے کی کوششیں کر رہے ہیں اور دانستہ طور پر اُن کے اس باطل خیال کو تقویت پہنچانے میں سرگرم عمل ہیں کہ دنیا ملت اسلامیہ کے نام سے جس قوم کو جانتی ہے وہ انسانوں کی کوئی تنظیم نہیں بلکہ انسان نما آدم خوروں کی ایک بھیڑ ہے جو چند لاکھ بے گناہ انسانوں پر مذہبی دیوانگی کے عالم میں ناحق ظلم وستم ڈھا رہی ہے۔ قادیانی اسلام اور ملت اسلامیہ کے خلاف جو مذموم کارروائیاں کر رہے ہیں چونکہ دنیا اُن کے پس منظر اور اُن کی حقیقی نوعیت سے ناواقف ہے اس لیے بسا اوقات بھلے اور شریف لوگ بھی ان کے فریب میں آجاتے ہیں۔

---

اہلِ اسلام اور قادیانیوں کے مابین اختلاف اس قدر واضح اور وسیع ہے جس قدر اسلام اور کفر کے درمیان ممکن ہو سکتا ہے۔ سخت دھوکے میں مبتلا ہیں وہ لوگ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی آخر الزمان ماننے والوں اور مرزا غلام احمد قادیانی کو پیغمبر تسلیم کرنے والوں کے مابین چند ظاہری اعمال کے اشتراک کی وجہ سے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اِس اختلاف کی نوعیت فروعی ہے جسے "ملّاؤں" کی جہالت اور تنگ نظری نے اصولی اور بنیادی بنا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو شخص بھی نبوت کا دعویٰ لے کر اٹھتا ہے وہ کاذب اور مفتری ہے۔ اس بنا پر جو انسان بھی اِس کے ساتھ عقیدت و محبت کا رشتہ استوار کرتا ہے یا کسی

درجہ میں بھی اس کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہوتا ہے وہ دائرہ اسلام سے یکسر خارج ہے۔ نبوت کا دعویٰ کوئی شاعرانہ تعلی یا مجذوب کی بڑ نہیں جسے آسانی کے ساتھ نظر انداز کیا جاسکتا ہو۔ یہ حیات انسانی کا نہایت ہی اہم فیصلہ ہے جس پر کسی فرد کی دنیوی فلاح اور اُخروی نجات کا دارومدار ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص نبوت کا دعویٰ لے کر اُٹھتا ہے تو وہ پوری نوع بشری کو سخت آزمائش میں ڈالتا ہے۔ اگر نبوت کا دعویدار اپنے دعوے میں جھوٹا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ پر سب سے بڑا بہتان باندھتا ہے اور اس وجہ سے وہ خود بھی اور اس کے پیروکار بھی جہنم کی سزا کے مستوجب ٹھیرتے ہیں اور اگر وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہو تو پھر اس کی تکذیب کرنے والوں کی دنیا اور آخرت برباد ہوتی ہے۔ اس دعوائے نبوت کی تصدیق و تکذیب پر اقوام و ملل تشکیل پاتی ہیں اور کفر اور اسلام کے مابین واضح امتیاز پیدا ہوتا ہے۔ یہ دعوائے کسی فرد اور معاشرے کی زندگی میں کس قدر غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ دنیا اور آخرت میں اس کا مرتبہ و مقام اُس موقف کی بنیاد پر متعین ہوتا ہے جو وہ نبوت کا دعوائے کرنے والوں کے بارے میں اختیار کرتا ہے۔ اگر وہ نبوت کے جھوٹے دعویدار کو نبی برحق مان لیتا ہے تو وہ کفر کا ارتکاب کرتا ہے اگر وہ سچے نبی کے دعوائے نبوت کو جھٹلا دیتا ہے تو پھر وہ جہنم کے دائمی عذاب کا مستحق قرار پاتا ہے۔

---

اگر آپ نبوت کے بلند مرتبہ و مقام پر غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ کفر و اسلام کے مابین تفریق، اسلامی عقائد اور تعلیمات کا صحیح شعور اور اللہ کی معرفت اور خود انسان کو اپنی ذات کی پہچان صرف سچے نبی کے ذریعے ہی حاصل ہوتی ہے۔ اگر نبوت کا واسطہ درمیان سے ختم ہو جائے یا اگر انسان سچی نبوت کی رہنمائی سے بے نیاز ہو کر حق و صداقت کے راستے پر چلنے کی کوشش کرے تو وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ پیغمبر صادق پر ایمان اور خلوص اور دیانتداری کے ساتھ اس کی پیروی اُس شخص کی دنیوی اور اخروی بھلائی کی واحد ضمانت ہے اور جھوٹے نبی پر ایمان تو کجا کسی اعتبار سے اس کی پذیرائی بھی سراسر کفر اور الحاد ہے۔ اس بنا پر سچے نبی کے پیرو اور جھوٹے نبی کے حلقہ بگوش ایک اُمت کی حیثیت سے کبھی زندہ نہیں رہ سکتے خواہ اُن کے ظاہری اعمال میں کسی حد تک مماثلت بھی پائی جاتی ہو۔ جس طرح تاریکی اور روشنی یکجا نہیں ہوسکتیں بالکل اسی طرح نبوت باطلہ سے وابستہ ہونے والے اور پیغمبر صادق و مصدوق کے غلاموں کے مابین کوئی اشتراک ممکن نہیں ہوسکتا کیونکہ جب بنیاد ہی ایک دوسرے سے الگ اور جداگانہ ہو تو دوسرے معاملات میں اختلاف بالکل ناگزیر ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص دل اور

زبان سے یہ اقرار کرتا ہے کہ وہ فلاں مقدس ذات کو نبی برحق سمجھکر اس پر ایمان لاتا ہے تو اس کی ذمہ داری صرف اس اقرار پر ہی ختم نہیں ہوتی بلکہ وہ اس اقرار کے ساتھ اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ وہ عظیم المرتبت انسان جسے اس نے توحید باری تعالیٰ کے ساتھ خدا کا پیغمبر بھی تسلیم کیا ہے وہی اس کی عقیدت اور محبت کا سب سے بڑا مرکز ومحور، اس کے لیے سب سے بڑا ہادی اور رہنما اور فکر وعمل کے لحاظ سے سب سے ارفع واعلیٰ نمونہ ہے۔ اس کا قول حق وباطل کے درمیان قول فیصل کی حیثیت رکھتا ہے اور اسی کی دکھائی ہوئی راہ ہدایت ہی انسان کو دنیا وآخرت میں فائز المرام کرتی ہے۔ الغرض انسان کو اس زندگی میں جو کچھ بھی مطلوب ہوتا ہے خواہ وہ عقیدے کی صورت میں ہو یا افکار واعمال کی صورت میں وہ اس کی صحت کے جانچنے کے لیے صرف اسی ذات کی طرف رجوع کرتا ہے جس پر وہ خدا کے رسول کی حیثیت سے ایمان لاتا ہے۔

---

ایمان بالرسالت کا ایک دوسرا پہلو بھی قابلِ غور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چونکہ انسان کے رشد وہدایت کے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے لاتعداد انبیاء مبعوث فرمائے اور حضور پر تکمیل دین اور سلسلہ نبوت ختم کر کے یہ نازک ذمہ داری اُمت مسلمہ کو سونپ دی اس لیے اس حکیم اور علیم وخبیر ذات نے اس بات کا بھی خاص طور پر التزام کیا کہ حضور سرورِ دوعالم کے بعد کوئی شخص اگر مہبطِ وحی ہونے کا دعویدار ہو تو اُسے کاذب سمجھ لیا جائے کیونکہ اس کی اس حیثیت کو تسلیم کر لینے کے بعد نہ تو اسلام مکمل دین رہتا ہے نہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی قرار پا سکتے ہیں اور نہ اُمت مسلمہ آخری اُمت تسلیم کی جا سکتی ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی دوسرے شخص کی نبوت کو ماننے کے معنی یہ ہیں کہ حضورؐ کے لائے ہوئے دین کی عملاً وہ حیثیت رہ جائے جو سابقہ ادیان کی تھی اور خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس مرتبہ پر فائز ہو جائیں جو حضورؐ کے مقابلے میں سابق انبیاء کا ہے اور امت مسلمہ اس مقام کی حامل مانی جائے جو پہلے انبیاء کی امم کا تھا۔ انسان چونکہ حق وباطل کا واحد معیار صرف ایک ذات کو قرار دے سکتا ہے اور پیروی کے لیے کامل نمونہ صرف ایک شخصیت کو ہی بنا سکتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایک مسلمان سے ایمان بالرسالت کے تحت جو کچھ تقاضا کیا ہے وہ صرف یہ ہے کہ وہ حضورؐ سے پہلے انبیاء پر سچے دل سے ایمان لائے کیونکہ اسی ایمان ہی سے ایک انسان اس حقیقت کا پورے وثوق اور شعور سے اعتراف کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نوع انسانی کی ہدایت کے لیے اپنے خاص بندوں کو منتخب فرما کر دنیا میں مبعوث فرمایا ہے لیکن فکر وعمل میں پیروی صرف اس مقدس ذات کی کی جائے جسے نبی آخر الزمان کی حیثیت سے دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ اب اگر

حضورؐ کے بعد کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ میں نبی ہوں تو وہ پہلے انبیا علیہم السلام کے دعوے کی صداقت کو تسلیم کرنے اور ان کی عظمت کا اقرار کرنے کے باوجود لوگوں سے بہرحال اس بات کا مطالبہ کرتا ہے کہ اب نئے نبی مبعوث ہونے تک حق و باطل کا واحد معیار صرف اسے ہی تسلیم کیا جائے اور زندگی کے ہر میدان میں صرف اسی کی پیروی کی جائے۔

---

یہاں ہم قادیانیوں کی پھیلائی ہوئی ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ سادہ لوح عوام کو بہکانے کے لیے بڑے معصومانہ انداز میں یہ کہتے ہیں کہ ہم تو زندگی کے ہر معاملے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں چنانچہ ہمارے نماز پڑھنے کا طریقہ وہی ہے جو عام مسلمانوں کا ہے، روزے بھی ہم اسی انداز سے رکھتے ہیں جس طرح کہ دوسرے مسلمان رکھتے ہیں اس کے باوجود تم ہم پر یہ الزام دھرتے ہو کہ ہم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت سے نکل کر مرزا صاحب کی اُمت میں شامل ہو گئے ہیں۔ یہ محض ابلہ فریبی اور دھوکہ بازی ہے۔ مرزا صاحب اور ان کے پیرو اس حقیقت کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ نبوت کا ہر دعویدار خواہ وہ جھوٹا ہو یا سچا پہلے انبیاء کی ساری تعلیمات کو کالعدم قرار نہیں دے دیتا بلکہ ان میں سے بعض کو اپنی اصلی شکل و صورت میں قائم رہنے دیتا ہے۔ بعض میں مناسب تغیر و تبدل کر کے انھیں اپنی امت کے سامنے پیش کرتا ہے اور بعض کو یکسر منسوخ کر دیتا ہے۔ اب اگر یہ دیکھنا مقصود ہو کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے ماننے والے حضور سرور دو عالم کو کس حد تک اپنا ہادی اور مطاع سمجھتے ہیں اور حضورؐ سرور دو عالم کے مقابلے میں وہ مرزا صاحب کو کس مرتبہ و مقام پر فائز خیال کرتے ہیں تو انہیں ان اعمال کو دیکھنے کی ضرورت نہیں جن پر مرزا صاحب نے صاد کیا ہے بلکہ ان احکام کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے جنہیں مرزا صاحب نے منسوخ کیا ہے۔ اس سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی کہ مرزا صاحب اور اُن کے پیرو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور اُن کے مقام کو کس زاویہ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ آپ مثال کے طور پر جہاد کے معاملہ ہی میں مرزا صاحب کا موقف اور اُن کے پیرؤوں کا طرز عمل ملاحظہ فرمائیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد بالسیف کی عظمت اور دنیا و آخرت میں اس کی غیر معمولی اہمیت کو جس انداز سے بیان فرمایا ہے اسے مسلم اور غیر مسلم دونوں اچھی طرح جانتے ہیں مگر مرزا صاحب نے اسے یکسر منسوخ قرار دیا ہے اور پھر اس کی تنسیخ کا فیصلہ جن الفاظ میں کیا ہے انہیں دیکھ کر اس امر کا بآسانی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ شخص خواہ زبان سے کچھ ہی کہتا رہے مگر

زعم باطل میں اپنی ذات کو (معاذ اللہ) حضورؐ کی ذات اقدس سے بلند تر سمجھتا ہے اور اپنے ذہن میں یہ فاسد خیال پوری طرح بٹھائے ہوئے ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو منسوخ کرنے کا پورا اختیار دے رکھا ہے۔ یہ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال
دین کے لیے حرام ہے اب جنگ و قتال
اب آسمان سے نور خدا کا نزول ہے
اب جنگ و جہاد کا فتویٰ فضول ہے
دشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد
منکر نبی کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد

اعلان مرزا غلام احمد قادیانی صاحب مندرجہ تبلیغ رسالت جلد نہم مؤلفہ میر قاسم علی صاحب قادیانی ص۴۹

اس ضمن میں نثر کے ایک اقتباس پر بھی غور فرمائیں اور دیکھیں اس کا تحریر کرنے والا اپنے آپ کو کس بلند مقام پر فائز سمجھتے ہوئے یہ بات کر رہا ہے:

"سو آج سے دین کے لیے لڑنا حرام کیا گیا۔ اب اس کے بعد جو دین کے لیے تلوار اٹھاتا ہے اور غازی نام رکھا کر کافروں کو قتل کرتا ہے وہ خدا اور اس کے رسول کا نافرمان ہے۔" (اشتہار چندہ منارۃ المسیح ب، ت ضمیمہ خطبہ الہامیہ)

جہاد کے موقوف ہونے کو مرزا صاحب اپنی 'بعثت' کا مقصد اعظم قرار دیتے ہیں تریاق القلوب کے ضمیمہ اشتہار واجب الاظہار میں لکھتے ہیں:

"غرض میں اس لیے ظاہر نہیں ہوا کہ جنگ و جدال کا میدان گرم کروں بلکہ اس لیے ظاہر ہوا ہوں کہ پہلے مسیح کی طرح صلح و آشتی کے دروازے کھول دوں۔ اگر صلح کاری کی بنیاد درمیان نہ ہو تو پھر ہمارا سارا سلسلہ فضول ہے اور اس پر ایمان لانا بھی فضول ہے۔"

تریاق القلوب ص۳۳۵

(بقیہ اشارات بر صفحہ ۴۲)

## فصل دوم

# رسالتِ محمدیؐ پر ایمان کی دعوت

دعوتِ اسلامی کا دوسرا اہم نکتہ یہ تھا کہ لوگ اللہ وحدہٗ لاشریک کو واحد معبود اور واحد حاکم و مقتدرِ اعلیٰ ماننے کے بعد یہ تسلیم کریں کہ رسول ہی وہ ایک مستند و معتبر پیغام بر ہے جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ انسانوں کو ہدایت دیتا ہے، احکام دیتا ہے، عبادت کا صحیح طریقہ بتاتا ہے، صحیح عقائد کی تعلیم دیتا ہے، اخلاق اور اعمال کے صحیح اور غلط اصولوں اور طریقوں کی تمیز سکھاتا ہے، اور اپنے وہ قوانین بھیجتا ہے جن کی پیروی لوگوں کو اپنی زندگی کے ہر شعبے میں کرنی چاہیئے۔ اس لیے اللہ کی توحید پر ایمان لانے کے بعد لوگوں کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ رسول کی رسالت پر ایمان لائیں، اُس کو مرضیِ الٰہی کا واحد نمائندہ مانیں، سب کی پیروی چھوڑ کر اس کی پیروی اختیار کریں، اور سب کی اطاعت ترک کر کے اُن احکام و ہدایات کی اطاعت کریں جو رسول اپنے بھیجنے والے خدائے واحد کی طرف سے دے۔ اس طرح یہ رسالت کا عقیدہ اُس عظیم انقلاب کو عملی شکل دے رہا تھا جو اللہ کی توحید تسلیم کرا کے اسلام انسانی زندگی میں برپا کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ جب توحید کو مان کر انسان اس بات کا قائل ہو جائے کہ اب اُسے اللہ ہی کی بندگی و عبادت کرنی ہے اور اسی کی ہدایت پر چلنا ہے، تو فوراً ہی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ اپنے اِس عقیدے کو عمل میں کیسے لائے؟ کس ذریعہ سے اس کو یہ معلوم ہو کہ اللہ کی بندگی و عبادت کا صحیح طریقہ کیا ہے اور اُس کی وہ ہدایت کیا ہے جس کی اب اُسے پیروی کرنی چاہیئے؟ قرآن نے بتایا کہ وہ ذریعہ ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی بندے کو اپنا رسول بنا کر اُس کو اُن چیزوں کا علم دیتا ہے جن پر عمل کرنا اس کی مرضی کے مطابق ہے، اور اُس کی بندگی بجا لانے کے لیے کوئی عملی صورت اِس کے سوا نہیں ہے کہ رسول کی رسالت مان کر اس کی پیروی و اطاعت کی جائے۔ یوں تمام مختلف عقائد و افکار، اوہام و تخیلات، مذاہب و ادیان، رسوم و قوانین، اور اربابِ متفرقین کی پیروی و اطاعت

میں بٹی ہوئی انسانیت ایک مرکز پر جمع ہو جاتی ہے اور وہ دین عملاً قائم ہو جاتا ہے جس پر نوع انسانی کو مجتمع کرنا اسلام کی دعوت کا مقصود ہے۔

اس سلسلے میں قرآن مجید کی تعلیمات کو حسبِ ذیل ترتیب کے ساتھ اگر دیکھا جائے تو بات پوری طرح سمجھ میں آجاتی ہے۔

**ابتدائے آفرینش میں انبیاءؑ کی بعثت کا اعلان** نبوت کے متعلق پہلی بات جو قرآن میں بتائی گئی وہ یہ تھی کہ زمین پر نوع انسانی کے آغاز ہی کے وقت اولادِ آدم کو خبردار کر دیا گیا تھا کہ رسولوں کے ذریعہ سے جو ہدایت ان کو بھیجی جائے گی اس کی پیروی انھیں کرنی ہوگی:

| | |
|---|---|
| يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ | اے بنی آدم، اگر تمہارے پاس خود تمہی میں |
| مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ | سے (یعنی انسانوں میں سے) ایسے رسول آئیں جو |
| فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ | تمہیں میری آیات سنا رہے ہوں تو جو کوئی نافرمانی |
| عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ | سے بچے گا اور اپنے رویّے کی اصلاح کرلے گا |
| وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ | اس کے لیے خوف اور رنج کا کوئی موقع نہیں ہے۔ |
| اسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ | اور جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلائیں گے اور ان کے |
| النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ | مقابلے میں سرکشی برتیں گے وہی اہل دوزخ ہوں گے |
| (الاعراف - ۳۵ - ۳۶)۔ | جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ |

**رسولوں کو ماننے یا نہ ماننے پر انسان کی فلاح و خسران کا انحصار** یہی بات سورۂ بقرہ آیات ۳۸ - ۳۹ اور سورۂ طٰہٰ آیات ۱۲۳ - ۱۲۴ میں بیان کی گئی جہاں زمین پر آدم و حوا علیہما السلام کے اتارے جانے کا ذکر آیا ہے۔ اس میں صرف یہی خبر نہیں دی گئی تھی کہ انسانوں کی ہدایت کے لیے رسول بھیجے جائیں گے بلکہ یہ بھی متنبہ کر دیا گیا تھا کہ ان کی فلاح و خسران کا انحصار ہی اس بات پر ہوگا کہ وہ رسولوں کی ہدایت کو قبول کر کے تقویٰ اور اصلاح کی راہ اختیار کرتے ہیں یا نہیں۔ نہ کریں گے تو دنیا میں بھی سزا پائیں گے اور جہنم کا عذاب بھی مول لیں گے۔ چنانچہ جگہ جگہ دنیا میں قوموں پر عذاب آنے کی وجہ یہی بیان کی گئی کہ انھوں نے اپنے ہاں آنے والے رسولوں کی بات ماننے سے انکار کیا تھا۔ مثلاً ایک جگہ ارشاد ہوا:

| | |
|---|---|
| اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ | اور کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں |

فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ كَانُوا مِن قَبْلِهِمْ كَانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۔ وَمَا كَانَ لَهُم مِّنَ اللَّهِ مِن وَاقٍ ۔ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانَت تَّأْتِيهِمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَكَفَرُوا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ ۔ إِنَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ (المؤمن - ۲۱-۲۲)۔

کہ اُن لوگوں کا انجام اِنھیں نظر آتا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں؟ وہ ان سے (یعنی قریش سے) زیادہ طاقت ور تھے اور اِن سے زیادہ زبردست آثار زمین میں چھوڑ گئے۔ پھر اللہ نے اُن کے گناہوں پر انہیں پکڑ لیا اور ان کو اللہ سے بچانے والا کوئی نہ تھا۔ یہ اُن کا انجام اس لیے ہوا کہ ان کے پاس رسول بیّنات[1] لے کر آئے مگر اُنھوں نے ماننے سے انکار کر دیا۔ آخر کار اللہ نے انہیں پکڑ لیا۔ یقیناً وہ بڑی قوت والا اور سزا دینے میں بہت سخت ہے۔

قریب قریب یہی بات سورۂ فاطر آیات ۲۵-۲۶ اور سورۂ تغابُن آیات ۵-۶ میں بیان کی گئی ہے، اور قرآن اُن قوموں کے قصّوں سے بھرا ہوا ہے جنھوں نے اپنے اپنے عہد کے رسولوں کی تکذیب کی اور آخر کار دنیا ہی میں ان پر عذاب آ گیا۔

پھر آخرت کے متعلق بتایا گیا کہ وہاں انسانوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہی اس بنیاد پر قائم ہوگی کہ تمہارے پاس رسول بھیج کر تمہیں حق اور باطل کا فرق، اور سیدھا راستہ صاف صاف بتا دیا گیا تھا، اس کے باوجود تم نے اُن کو نہ مانا اور ان کی اطاعت نہ کی، اس لیے اب تم عذابِ جہنّم کے مستحق ہو۔

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِن ۚ

اے محمدؐ، ہم نے تمہاری طرف اُسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوحؑ اور اس کے بعد آنے والے

---

[1] بیّنات سے مراد تین چیزیں ہیں (۱) ایسی نمایاں علامات اور نشانیاں جو اُن کے مامور من اللہ ہونے پر شاہد تھیں۔ (۲) ایسی روشن دلیلیں جو ان کی پیش کردہ تعلیمات کے حق ہونے کا ثبوت دے رہی تھیں۔ (۳) زندگی کے مسائل و معاملات کے متعلق ایسی واضح ہدایات جنھیں دیکھ کر ہر معقول آدمی یہ جان سکتا تھا کہ ایسی پاکیزہ تعلیم کوئی جھوٹا خود غرض آدمی نہیں دے سکتا۔

بَعْدِهٖ ...... رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ (النساء - ۱۶۳ - ۱۶۴)۔

نبیوں کی طرف بھیجی تھی ...... یہ سب رسول خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے تھے تاکہ ان کو مبعوث کر دینے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت باقی نہ رہے۔

یعنی ان سب پیغمبروں کا کام یہ تھا کہ جو لوگ ان کی لائی ہوئی تعلیم پر ایمان لا کر اپنے طرزِ فکر و عمل کو اس کے مطابق درست کر لیں ان کو فلاح و سعادت کی خوشخبری سنا دیں اور جو نہ ایمان لائیں نہ فکر و عمل کی غلط راہوں پر چلنا چھوڑیں ان کو انجامِ بد سے ڈرا دیں۔ اور ان سب پیغمبروں کو بھیجنے کی غرض یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے راہِ حق صاف صاف بتا کر نوعِ انسانی پر حجت تمام کر دینا چاہتا تھا تاکہ آخرت کی عدالت میں کوئی کافر و مجرم یہ عذر نہ پیش کر سکے کہ ہم کو حقیقت بتانے کا تو کوئی انتظام کیا نہیں گیا اور اب ہم بے خبری میں پکڑے جا رہے ہیں۔

آخرت کا ذکر کرتے ہوئے قرآن میں خبردار کر دیا گیا کہ منکرین اور مخالفینِ رسالت کے تمام اعمال (جن کو وہ اپنے نزدیک نیک سمجھ کر کرتے رہے) وہاں ضائع ہو جائیں گے اور جب ان لوگوں کو جہنم میں داخل کیا جائے گا تو ان سے کہا جائے گا کہ تم پر رسولوں کے ذریعہ سے حجّت تمام ہو چکی تھی، اس لیے اب جو سزا تم بھگت رہے ہو اس کے تم فی الواقع مستحق ہو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ

جن لوگوں نے ماننے سے انکار کیا[1] اور اللہ کی راہ سے روکا[2]

---

[1] یعنی رسول کو اور اس کی لائی ہوئی تعلیم کو ماننے سے انکار کیا۔

[2] اصل میں صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ صَدّ کا لفظ عربی زبان میں لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ اس لیے ان الفاظ کے معنی یہ بھی ہیں کہ خود اللہ کا راستہ اختیار کرنے سے باز رہے۔ اور یہ معنی بھی ہیں کہ انہوں نے دوسروں کو اس راہ پر آنے سے روکا۔ روکنے کی بھی کئی صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ آدمی زبردستی کسی کو ایمان لانے سے روک دے۔ دوسرے یہ کہ ایمان لانے والوں پر ایسا ظلم و ستم ڈھائے کہ ان کا ایمان پر قائم رہنا اور دوسروں کو ایسے خوفناک حالات میں ایمان لانا مشکل ہو جائے۔ تیسرے یہ کہ وہ اللہ کے دین اور اس کے پیش کرنے والے رسول کے خلاف لوگوں کو ورغلائے اور ایسے وسوسے دلوں میں ڈالے کہ لوگ بدگمان (باقی بر صفحہ ۱۳)

سَبِيلِ اللّٰهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِنۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى لَن يَضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا وَسَيُحْبِطُ أَعْمَالَهُمْ (محمد-۳۲)۔

اور رسول سے جھگڑا کیا جبکہ راہِ راست اُن پر واضح ہو چکی تھی، وہ اللہ کا کوئی نقصان نہیں کر سکتے، بلکہ اللہ ہی ان کا سب کیا کرایا غارت کر دے گا۔

اِس موقع پر اللہ تعالیٰ اُن سے پوچھے گا:

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِي وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۔ قَالُوا شَهِدْنَا عَلٰى أَنفُسِنَا ۔ وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوا عَلٰى أَنفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كٰفِرِينَ ۔ ذٰلِكَ أَن لَّمْ يَكُن رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا غٰفِلُونَ ۔ (الانعام ۱۳۰-۱۳۱)۔

اے گروہ جن و انس، کیا تمہارے پاس خود تم ہی میں سے وہ رسول نہ آئے تھے جو تم کو میری آیات سناتے تھے اور اِس دن کے انجام سے ڈراتے تھے؟ وہ کہیں گے کہ "ہم اپنے خلاف خود شہادت دیتے ہیں"۔ دنیا کی زندگی نے اُن کو دھوکے میں ڈال رکھا تھا، مگر آخرت میں وہ اپنے اُوپر خود گواہی دیں گے کہ وہ کافر ہیں۔ (یہ شہادت ان سے اس لیے لی جائے گی کہ یہ ثابت ہو جائے کہ) تمہارا رب بستیوں کو ظلم کے ساتھ تباہ کرنے والا نہ تھا جبکہ اُن کے بسنے والے (حق سے) بے خبر ہوں)۔

كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ۔ قَالُوا بَلٰى قَدْ جَاءَنَا

جب بھی کوئی انبوہ جہنم میں ڈالا جائے گا اُس کے کارندے اُن لوگوں سے پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی نذیر (خبردار کرنے والا)

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲) ہو کر خدا کے راستے پر آنے سے رُک جائیں۔ اس کے علاوہ ہر کافر معاشرہ خدا کے راستے میں ایک سنگِ گراں ہے کیونکہ وہ اپنی تعلیم و تربیت، اپنے اجتماعی نظام، اپنے رسم و رواج اور اپنے تعصبات سے دینِ حق کے پھیلنے میں شدید رکاوٹیں ڈالتا ہے۔

نَذِيْرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلٰلٍ كَبِيرٍ - وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحٰبِ السَّعِيرِ - فَاعْتَرَفُوا بِذَنْۢبِهِمْ فَسُحْقًا لِّأَصْحٰبِ السَّعِيرِ (الملک ۸ تا ۱۱)

نہیں آیا تھا؟[۱] وہ جواب دیں گے "ہاں نذیر آیا تھا مگر ہم نے اسے جھٹلایا اور کہا اللہ نے کچھ نازل نہیں کیا ہے اور تم بڑی گمراہی میں مبتلا ہو۔" پھر وہ کہیں گے "کاش ہم سنتے یا عقل سے کام لیتے تو آج اِس بھڑکتی ہوئی آگ کے سزاواروں میں شامل نہ ہوتے۔" اس طرح وہ اپنے گناہ کا اعتراف کریں گے۔ لعنت ہے ان دوزخیوں پر۔

اِسی سے ملتا جلتا مضمون سورۂ زُمَر آیات ۷۱-۷۲ میں بیان ہوا ہے۔ اس سے ظاہر ہوگیا کہ اسلام میں رسالت کی اہمیت اتنی بڑی ہے کہ اسی کے ماننے یا نہ ماننے پر دنیا سے آخرت تک انسان کی نیک بختی یا بدبختی کا دارومدار ہے۔

**تمام قوموں میں انبیاءؑ آئے اور سب کی دعوت ایک ہی تھی**

قرآن میں یہ بھی بتایا گیا کہ آغازِ آفرینش سے تمام قوموں میں انبیاءؑ آتے رہے ہیں۔ اُن سب کا دین ایک تھا، سب کی دعوت بھی ایک تھی، سب کی بِعثت کا مقصد بھی ایک تھا، اور اُن سب کا مطالبہ یہ تھا کہ لوگ اللہ کی نافرمانی سے بچیں اور اُن کی اطاعت کریں۔

وَإِنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ (فاطر - ۲۴)۔

کوئی اُمت ایسی نہیں گزری جس میں کوئی نذیر نہ آیا ہو۔

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (الرعد - ۷)

ہر قوم کے لیے ایک ہادی تھا۔

[۱] اس سوال کی نوعیت یہ نہ ہوگی کہ جہنم کے کارندے ان سے یہ پوچھنا چاہتے ہوں کہ تمہارے پاس کوئی نذیر آیا تھا یا نہیں۔ بلکہ اس سے مقصود ان کو اس بات کا قائل کرنا ہوگا کہ انہیں جہنم میں ڈال کر اُن سے بے انصافی نہیں کی جا رہی ہے، اس لیے وہ خود اُن کی زبان سے یہ اقرار کرانا چاہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بے خبر نہیں رکھا تھا، ان کے پاس انبیاءؑ بھیجے گئے تھے، مگر انھوں نے اُن کی بات نہ مانی اس لیے جو سزا انہیں دی جا رہی ہے اس کے وہ مستحق ہیں۔

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ (الشعراء - ۲۰۸)۔

ہم نے کوئی بستی ایسی ہلاک نہیں کی جس میں خبردار کرنے والے نہ آئے ہوں۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل ۳۶)۔

اور ہم نے ہر اُمت میں ایک رسول یہ دعوت دینے کے لیے بھیجا کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو۔

حضرت نوحؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک قرآن مجید میں نبی پر نبی کا نام لے کر بیان کیا گیا کہ ہر ایک نے اپنی قوم سے یہی کہا کہ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ۔ "اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو" (ملاحظہ ہو آل عمران - ۵۰ - الشعراء ۱۰۸ - ۱۱۰ - ۱۲۶ - ۱۳۱ - ۱۴۳ - ۱۵۰ - ۱۶۳ - ۱۷۹ - الزخرف ۶۳ - نوح - ۳)۔

**انبیاء کی بعثت کا مقصد** پھر سب انبیاء کی بعثت کا مقصد یہ تھا:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (الحدید - ۲۵)

ہم نے اپنے رسولوں کو بیّنات کے ساتھ بھیجا اور اُن کے ساتھ کتاب اور میزان (معیارِ حق و باطل) نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔

"انصاف پر قائم ہوں" یعنی اپنے ساتھ انصاف، اپنے خدا کے ساتھ انصاف، ہر اُس انسان کے ساتھ انصاف جس سے ان کا معاملہ پیش آئے، اپنے معاشرے میں انصاف، اپنے لین دین میں انصاف، اپنی تہذیب و تمدّن میں انصاف، اپنی سیاست وحکومت میں انصاف، اپنی عدالت میں انصاف، اپنے بین الاقوامی تعلقات میں انصاف، غرض انفرادی اور اجتماعی طور پر ہر لحاظ سے زندگی کے ہر شعبے اور پہلو میں انصاف کا قیام ان سب کی بعثت کا مقصد تھا۔

**محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت** نبوت و رسالت کی تاریخ اور اس کی حقیقت کے اس پس منظر میں پہلے قریش کو، پھر اہلِ عرب کو، پھر ساری دنیا کو یہ بتایا گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم انہی رسولوں میں سے ہیں جو پہلے بھیجے جاتے رہے ہیں، وہی دین لے کر آئے ہیں جو ابتدائے آفرینش سے تمام رسولوں کا دین تھا، اُسی دین کو تمام آمیزشوں اور آلائشوں سے پاک کر کے اس کی اصل خالص صورت میں پیش کرنے کے لیے آئے ہیں، اور اب

خدا کا دین اُس کی شریعت، اُس کا قانون، اُس کا حکم وہ ہے جو اپنی طرف سے نہیں بلکہ خدا کی بھیجی ہوئی وحی کی بنا پر آپ پیش کر رہے ہیں۔ آپ کی اطاعت خدا کی اطاعت اور آپ کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہے۔ لہٰذا لوگوں کو محض اس بات پر ہی ایمان نہیں لانا چاہیے کہ آپ خدا کے رسول ہیں، بلکہ ایمان لانے کے بعد ہر ایک کی اطاعت و پیروی چھوڑ کر بے چون وچرا آپ کی اطاعت و پیروی بھی کرنی چاہیئے، کیونکہ آپ کی ہدایت سے انحراف عین اُس خدا کی اطاعت سے انحراف ہے جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔

حضورؐ کی بعثت سے پہلے اہلِ عرب خود ایک نبی مانگ رہے تھے | قبل اس کے کہ اُوپر کے بیانات کی تفصیل پیش کی جائے، یہ بتانا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اہلِ عرب اپنے گرد و پیش کے عیسائیوں اور یہودیوں اور ادیانِ سابقہ کے پیروؤں کی گری ہوئی اخلاقی حالت اور اُن کی بدکرداریاں دیکھ دیکھ کر خود یہ کہتے تھے کہ اگر ہمارے پاس وہ چیز آئی ہوتی (یعنی رسالت اور خدا کی بھیجی ہوئی ہدایت) تو ہم اُن سب سے بہتر اُمّت بن کر دکھا دیتے۔ یہ بات قرآن مجید میں ڈنکے کی چوٹ کہی گئی ہے اور منکرین میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو اس امرِ واقعہ کا انکار کرتا:

| | |
|---|---|
| وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرَا ۙ اسْتِكْبَارًا فِى الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ۚ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ۔ (فاطر ۴۲-۴۳) | یہ لوگ (یعنی قریش اور اہلِ عرب) کڑی کڑی قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی خبردار کرنے والا (یعنی رسول) اِن کے ہاں آگیا ہوتا تو یہ دنیا کی ہر دوسری قوم سے زیادہ راست رو ہوتے۔ مگر جب خبردار کرنے والا اِن کے ہاں آگیا تو (اس کی آمد نے) اِن کے اندر حق سے فرار کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہ کیا۔ یہ زمین میں اور زیادہ اِستکبار کرنے لگے اور بُری بُری چالیں اُس کو زک دینے کے لیے چلنے لگے، حالانکہ بُری چالیں اپنے چلنے والوں ہی کو لے بیٹھتی ہیں۔ |
| وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ لَوْ اَنَّ | یہ لوگ پہلے تو کہا کرتے تھے کہ کاش ہمارے |

عِندَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْأَوَّلِينَ لَكُنَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ. فَكَفَرُوا بِهِ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ. (الصّٰفّٰت - ۱۶۷ تا ۱۷۰)

پاس وہ "ذکر" (اللہ کا پیغامِ نصیحت) ہوتا جو پچھلی قوموں کو ملا تھا تو ہم اللہ کے چیدہ بندے ہوتے مگر جب وہ آ گیا، تو انہوں نے اس کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اب عنقریب انہیں اس کا نتیجہ معلوم ہو جائے گا

اس سے معلوم ہوا کہ رسول کی آمد ان کی منہ مانگی مراد تھی، مگر جب وہ نعمت میسر آگئی تو وہ مخالفت، ضد اور ہٹ دھرمی پر اُتر آئے۔

حضورؐ انبیاءؑ میں سے ہیں اور آپ کا ذریعہ علم وہی وحی تھا جو تمام انبیاءؑ کا تھا | ان حقائق کو نگاہ میں رکھ کر دیکھیے کہ حضورؐ کی رسالت کا تعارف قرآن نے کس طرح کرایا اور آپ کی کیا حیثیت پیش کی۔

يٰسٓ، وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ، اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (یٰسٓ ۱ تا ۴)

قرآنِ حکیم کی قسم اے محمدؐ تم یقیناً رسولوں میں سے ہو، سیدھے راستے پر ہو۔

یعنی تم رسولوں میں سے ہو اور تمہاری رسالت کا کھلا ثبوت یہ ہے کہ یہ حکمت سے لبریز قرآن تم پیش کر رہے ہو۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا۔ (الشوریٰ - ۷)۔

اور اسی طرح ہم نے اے محمدؐ، یہ قرآنِ عربی تمہاری طرف وحی کیا ہے تاکہ تم بستیوں کے مرکز (مکہ) اور اس کے گردوپیش رہنے والوں کو خبردار کر دو۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا (الفرقان - ۱)

بڑی برکت والا ہے وہ جس نے یہ فرقان (حق و باطل کا فرق بتانے والا کلام) اپنے بندے پر نازل کیا تاکہ دنیا جہان والوں کے لیے خبردار کرنے والا ہو۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۨ

اے محمدؐ، کہہ دو کہ اے انسانو، میں تم سب کی طرف اُس خدا کا بھیجا ہوا رسول ہوں جو

| | |
|---|---|
| الَّذِیْ لَہٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الاعراف - ۱۵۸)۔ | آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کا مالک ہے۔ |
| اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ كَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِیْسٰی وَاَیُّوْبَ وَیُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَیْمٰنَ ۚ وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا (النساء - ۱۶۳) | اے محمدؐ، ہم نے تمہاری طرف اُسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوحؑ اور اس کے بعد کے نبیوں کی طرف بھیجی تھی - ہم نے ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور اولادِ یعقوبؑ عیسٰیؑ، ایوبؑ، یونسؑ، ہارونؑ اور سلیمانؑ کی طرف وحی بھیجی اور ہم نے داؤدؑ کو زبور دی۔ |

**آپؐ کی بعثت کے مقاصد** اگرچہ آپ کی بعثت کا مقصد وہی تھا جو تمام انبیاء کی بعثت کا مقصد ہم اس سے پہلے سورہ حدید آیت ۲۵ کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں - مگر قرآن مجید میں خصوصیت کے ساتھ آپ کو رسول مقرر کرنے کے مقاصد پوری وضاحت کے ساتھ بیان کئے گئے جن کو ہم تفصیل وار نقل کرتے ہیں۔

**آپؐ کی نبوت ابدی اور عالمگیر ہے** آپؐ کسی ایک قوم کے لیے نہیں اور اپنے زمانے کے تمام انسانوں کے لیے بھی نہیں بلکہ قیامت تک ان سب لوگوں کے لیے رسول تھے جن تک آپ کا پیغام پہنچے:

| | |
|---|---|
| وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ (الانعام - ۱۹) | اور یہ قرآن میری طرف اس لیے بذریعہ وحی بھیجا گیا ہے کہ تمہیں اور جس جس کو یہ پہنچے اسے خبردار کر دوں۔ |

**آپؐ تمام تحریفات سے پاک خالص دین پیش کرنے والے تھے** آپؐ صرف یہی نہیں کہ اپنے سے پہلے آئے ہوئے انبیاءؑ کی لائی ہوئی تعلیمات کی تردید کے بجائے اُن کی تصدیق کے لیے بھیجے گئے تھے، بلکہ آپؐ کے سپرد یہ کام بھی کیا گیا تھا کہ پچھلے انبیاء کی تعلیمات میں جو آمیزشیں بعد کے زمانوں میں کر دی گئی تھیں ان سب کو چھانٹ کر اُس اصل دین کو اپنی خالص صورت میں پیش کر دیں جو ابتدائے آفرینش سے نوع انسانی کے لیے خدا کا مقرر کردہ ایک ہی دینِ حق تھا

یہ بات کہ آپ پچھلے انبیاءؑ اور کتابوں کی تردید کے لیے نہیں بلکہ تصدیق کے لیے بھیجے گئے تھے، قرآن میں

متعدد مقامات پر بیان کی گئی۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو:

بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ
الْمُرْسَلِيْنَ۔
(الصّٰفّٰت۔ ۳۷)

بلکہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) حق لے کر آئے
اور انہوں نے (خدا کے بھیجے ہوئے تمام) رسولوں
کی تصدیق کی۔

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ
يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ
تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ
وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ
مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔
(یونس۔ ۳۷)

اور یہ قرآن وہ چیز نہیں ہے جو خدا
(کی وحی) کے بغیر خود گھڑ لی جائے۔ بلکہ یہ تو جو
کچھ اس سے پہلے آیا ہوا تھا اس کی تصدیق اور
الکتاب (یعنی خدا کی طرف سے آئی ہوئی ہر کتاب)
کی تفصیل ہے۔ اس کے رب العالمین کی طرف سے
ہونے میں کوئی شک نہیں۔

"کتاب کی تفصیل سے مراد یہ ہے کہ تمام وہ اصولی تعلیمات و ہدایات جو خدا کی کتابوں میں پہلے آئی تھیں ان سب کا لبِّ لباب اس کتاب میں آگیا ہے بلکہ اس میں ان کو زیادہ مفصّل طریقہ سے بیان کیا گیا ہے۔

یہ بات بھی قرآن مجید میں جگہ جگہ بیان کی گئی کہ پچھلی کتابوں کے جو لوگ وارث ہوئے تھے انہوں نے اپنی طرف سے ان میں بہت سی باتیں تبدیل یا داخل کر دی تھیں، اس لیے حضورؐ کا یہ کام بھی تھا کہ ان کو الگ کر کے خدا کی شریعت میں جو اصل حرام ہے اسے حرام اور جو اصل حلال ہے اُسے حلال کریں:

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ
الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ
يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔
(البقرہ۔ ۷۹)

پس ہلاکت اور تباہی ہے اُن لوگوں
کے لیے جو خود اپنے ہاتھوں سے ایک کتاب
لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے
ہے۔

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ يَلْوٗنَ
اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ
مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ
الْكِتٰبِ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ

ان میں سے کچھ لوگ ہیں جو کتاب پڑھتے
ہوئے اس طرح زبان کا اُلٹ پھیر کرتے ہیں کہ تم
سمجھو جو کچھ وہ پڑھ رہے ہیں وہ کتاب ہی کی عبارت
ہے حالانکہ وہ کتاب کی عبارت نہیں ہوتی۔ وہ

عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ۔

(آل عمران - ۷۸)

کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتی اور وہ جان بوجھ کر جھوٹ بات اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

اس بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد یہ کام کیا گیا کہ تمام آمیزشوں سے پاک، خالص دینِ حق کی تعلیم پیش کریں، اور جو کچھ اس میں حرام ہے اسی کو حرام اور جو کچھ اس میں حلال ہے اسی کو حلال قرار دیں۔

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ۔

(البینۃ - ۱-۳)

اہلِ کتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ کافر تھے (وہ اپنے کفر سے) باز آنے والے نہ تھے جب تک کہ اُن کے پاس دلیلِ روشن نہ آجائے (یعنی) اللہ کی طرف سے ایک ایسا رسول جو (تمام آمیزشوں سے) پاک صحیفے پڑھ کر سنائے جن میں بالکل راست اور درست تحریریں لکھی ہوئی ہوں۔

يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ۔

(الاعراف - ۱۵۷)

(یہ رسول نبی امی) ان کو نیکی کا حکم دیتا اور بدی سے منع کرتا ہے۔ اُن کے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے (یعنی اُن کے بطورِ خود ٹھیرائے ہوئے حلال و حرام کو منسوخ کرتا ہے)، اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے اور وہ بندشیں کھولتا ہے (جو ان کے فقیہوں اور مذہبی پیشواؤں کی موشگافیوں اور ان کے جاہل عوام کے رسوم اور توہمات کی بدولت) ان پر مسلط تھے۔

**احکامِ الٰہی کی قولاً و عملاً تشریح اور تزکیۂ نفوس** آپؐ کے سپرد صرف یہی کام نہیں کیا گیا تھا کہ اللہ کی طرف سے وحی کے ذریعہ جو علم آپ کو دیا جائے اسے لوگوں تک پہنچا دیں بلکہ یہ کام بھی کیا گیا تھا کہ خود اللہ ہی کی طرف سے اُن احکام کا جو مطلب آپ کو بتایا جائے اس کے مطابق اپنے قول اور عمل سے دین کے عقائد، احکام، ہدایات اور قوانین کی توضیح کریں، اور اسی کے مطابق لوگوں کی تعلیم و تربیت کر کے اُن کی بگڑی ہوئی زندگی کو سنواریں:

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ۔ (القیٰمہ - ۱۷ تا ۱۹)

اس قرآن کو تمھیں یاد کرا دینا اور پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے لہٰذا، اے نبیؐ، جب ہم اسے پڑھ رہے ہوں تو تم اس کی قرأت کو سنتے رہو۔ پھر اس کا مطلب سمجھا دینا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ۔ (النحل - ۴۴)

اور اے نبیؐ یہ ذکر (یعنی قرآن) ہم نے تمھاری طرف اس لیے نازل کیا ہے کہ تم لوگوں کے سامنے اُس تعلیم کی توضیح کرتے جاؤ جو ان کے لیے نازل کی گئی ہے[1]۔

---

[1] یہ ارشاد فرما کر اللہ تعالیٰ نے وہ حکمت بیان کر دی ہے جس کا لازمی تقاضا یہ تھا کہ "ذکر" کے ساتھ ایک انسان کو پیغمبر بنا کر بھیجا جائے۔ ذکر تو فرشتوں کے ذریعہ سے بھی بھیجا جا سکتا تھا اور براہِ راست چھاپ کر ہر انسان تک اسے پہنچا دینا بھی اللہ کی قدرت سے دُور نہ تھا۔ مگر اس سے اصل مقصد پورا نہیں ہو سکتا تھا۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے یہ ضروری تھا کہ ایک قابل ترین انسان اسے لے کر آئے۔ جن کی سمجھ میں کوئی بات نہ آئے اُنھیں اُس کا پورا مطلب سمجھائے۔ جنھیں کچھ شک ہو اُن کا شک رفع کرے۔ جنھیں کوئی اعتراض ہو اُن کے اعتراض کا جواب دے۔ جو نہ مانیں اور مخالفت و مزاحمت کریں ان کے مقابلے میں وہ رویہ برت کر دکھائے جو اس ذکر لانے والے کے شایانِ شان ہو۔ اور جو مان لیں اُنھیں زندگی کے ہر گوشے اور ہر پہلو کے متعلق ہدایات دے، ان کے سامنے خود اپنی زندگی کو نمونہ بنا کر پیش کرے اور اُن کو تربیت دے کر ساری دنیا کے سامنے ایک ایسا مثالی معاشرہ بنا کر دکھائے جس کا اجتماعی نظام اِس "ذکر" کے منشا کی شرح ہو۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۔ (الجمعہ - ۲)

وہ اللہ ہی ہے جس نے اُمیوں کے اندر ایک رسول خود انہی میں سے اُٹھایا جو انہیں اس کی آیات سناتا ہے، اُن کی زندگی سنوارتا ہے ۔ اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ اس سے پہلے وہ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے ۔

هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَىٰ عَبْدِهِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِّيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ (الحدید - ۹)

وہ اللہ ہی ہے جو اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر صاف صاف آیات نازل کرتا ہے تاکہ تمہیں تاریکیوں سے روشنی میں نکال لائے ۔

(باقی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# مُسلم قادیانی اختلاف کی حقیقت

ملک غلام علی

مسلمانوں اور قادیانیوں کے درمیان جو وسیع اور ناقابلِ عبور اختلاف کی خلیج حائل ہے اور جس کی بنا پر سرزمین پاکستان میں بار بار تصادم اور خونریزی کے واقعات رونما ہو رہے ہیں، اسے سمجھنے اور اس کی صحیح نوعیت متعین کرنے کی کماحقہ کوشش نہیں کی جاتی۔ بالعموم دانستہ یا نادانستہ طور پر یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ محض فرقہ وارانہ منافرت (SECTARIAN HATRED) کا ایک شاخسانہ ہے اور اسے محض امن و امان اور نظم و ضبط (LAW & ORDER) کی سطح پر رکھ کر اور فریقین کو طاقت سے دبا کر حل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ جھگڑا اہل اسلام کے دو گروہوں اور اُمتِ مسلمہ کے دو فرقوں کا جھگڑا نہیں ہے، بلکہ اس کی بنیاد ایک شخص (مرزا غلام احمد قادیانی) کے ایسے دعووں پر قائم ہے جو دعوے اس مدعی کے نزدیک قرآنی وحی کے مانند قطعی اور یقینی ہیں اور ان دعووں کو تسلیم نہ کرنے والا قطعی کافر اور خارج از اسلام ہے۔ دوسری طرف عامۃ المسلمین کے نزدیک اس طرح کا دعویٰ کرنے والا اور اسے تسلیم کرنے والا دونوں کافر ہیں۔ چنانچہ یہ اختلاف فرقہ وارانہ نہیں بلکہ کفر و اسلام کا اختلاف ہے۔ اس اختلاف کی حقیقی نوعیت واضح کرنے کے لیے درج ذیل تصریحات قابلِ ملاحظہ ہیں:

**مرزا غلام احمد کی وحی پر ایمان** اپنی وحی و الہام کے متعلق مرزا غلام احمد کا موقف ان کے اپنے الفاظ میں یہ ہے:

"میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ان الہامات پر اسی طرح ایمان لاتا ہوں جیسا کہ قرآن شریف پر اور خدا کی دوسری کتابوں پر۔ اور جس طرح قرآن شریف کو حقیقی اور قطعی طور پر خدا کا کلام جانتا ہوں، اسی طرح اس کلام کو بھی جو میرے پر نازل ہوتا ہے خدا کا کلام یقین کرتا ہوں کیوں کہ اس کے ساتھ الٰہی چمک اور نور دیکھتا ہوں اور اس کے ساتھ خدا کی قدرتوں کے نمونے

پاتا ہوں "۔

(حقیقۃ الوحی، از مرزا غلام احمد صفحہ ۲۱۱ - بک ڈپو - تالیف واشاعت، قادیان، دسمبر ۱۹۳۴ء
تاریخ اشاعت بار اول ۱۵ر مئی ۱۹۰۷ء)

" میں جیسا کہ قرآن شریف کی آیات پر ایمان رکھتا ہوں ایسا ہی بغیر فرق ایک ذرہ کے اس کھلی کھلی وحی پر ایمان لاتا ہوں جو مجھے ہوئی جس کی سچائی اس کے متواتر نشانوں سے مجھ پر کھل گئی ہے "۔

(ایک غلطی کا ازالہ، مرزا غلام احمد، صفحہ ۸)

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ مرزا غلام احمد اور جو شخص مرزا غلام احمد کو سچا سمجھتا ہے اس کا ایمان الہامات مرزا اور وحی مرزا پر اسی طرح یقینی اور قطعی ہے جس طرح قرآن مجید اور دوسری کتب الٰہیہ پر ہونا چاہیے اور اس کے نزدیک ان الہامات اور وحی کو جھٹلانا قرآن مجید کو جھٹلانا ہے۔ یہ ارکان ایمان میں کھلا اضافہ ہے جو مرزا غلام احمد نے کیا ہے۔ اس اضافے کے بل پر اور اس کے نتیجے میں ارکان ایمان (ARTICLES OF FAITH) میں جس طرح مرزا صاحب نے ترمیم و تنسیخ کی ہے، اب وہ ملاحظہ فرمایئے:

**ایمان بالآخرۃ میں تحریف** | اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی دوسری سورۃ "البقرۃ" کے شروع ہی میں پرہیزگار مومنوں کی صفات بیان فرماتا ہے۔

" اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۔

(ترجمہ: وہ لوگ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں جو ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں اور وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اس کتاب پر جو تمہاری طرف اتاری گئی اور جو تم سے پہلے نازل ہوئی اور وہ آخرت (قیامت) پر یقین رکھتے ہیں")۔

ظاہر ہے کہ یہاں صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان سے پہلے نازل ہونے والی تعلیم آسمانی پر ایمان لانے کا ذکر ہے اور بعد میں کسی نازل ہونے والی تعلیم کا ذکر نہیں اور مرزا غلام احمد بھی ۱۹۰۶ء تک اس آیت کا یہی مفہوم لیتے تھے۔ چنانچہ ان کی سورہ بقرۃ کی جو تفسیر ادارہ المصنفین ربوہ نے چھاپی ہے، اس کے صفحہ ۱۱ پر یہ عبارت موجود ہے۔

"........ وہ ایمان لاتے ہیں اس کتاب پر جو تجھ پر نازل کی ہے اور جو کچھ تجھ سے پہلے نازل

ہوا اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں"۔

تقریباً یہی ترجمہ اس تفسیر کے صفحہ ۱۰ ، اور صفحہ ۶۰ پر بھی ہے جس میں "آخرت پر یقین رکھتے ہیں" کے الفاظ ہیں ، لیکن بعد میں دوسرا الہام آگیا جس نے اس آیت کا مفہوم ہی بدل کر ، بلکہ اُلٹ کر رکھ دیا۔ فرمایا:

"آج میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ قرآن شریف کی وحی اور اس سے پہلی وحی پر ایمان لانے کا ذکر تو قرآن شریف میں موجود ہے۔ ہماری وحی پر ایمان لانے کا ذکر کیوں نہیں۔ اس امر پر توجہ کر رہا تھا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بطور القاء کے یکایک میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ آیۂ کریمہ وَالذین یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک و بالاخرۃ ھم یوقنون میں تینوں وحیوں کا ذکر ہے۔ ما انزل الیک سے قرآن شریف کی وحی اور ما انزل من قبلک سے انبیاء سابقین کی وحی اور آخرت سے مراد مسیح موعود کی وحی ہے۔ آخرت کے معنی ہیں پیچھے آنے والی۔ وہ پیچھے آنے والی چیز کیا ہے۔ سیاق کلام سے ظاہر ہے کہ یہاں پیچھے آنے والی چیز سے مراد وہ وحی ہے جو قرآن کریم کے بعد نازل ہوگی۔ کیونکہ اس سے پہلے وحیوں کا ذکر ہے۔ ایک وہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ دوسری وہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل نازل ہوئی اور تیسری وہ جو آپ کے بعد آنے والی تھی"۔

(تفسیر سورہ بقرہ مذکورہ بالا ص ۹۳ منقول از ریویو آف ریلیجنز جلد ۱۴ نمبر ۱۴ بابت ماہ مارچ و اپریل ۱۹۱۵ء ص ۱۶۴ حاشیہ)۔

قادیانیوں کے شائع کردہ انگریزی ترجمۂ قرآن جس پر چند ماہ پہلے بلوچستان میں خاصے ہنگامے ہو چکے ہیں، اس میں بھی یہی مفہوم بیان کیا گیا ہے۔ بعض قادیانیوں یا مسلمانوں کا خیال تھا کہ یہ ترجمہ مترجم کی اپنی ایک نئی اُپج یا ایجاد ہے۔ حالانکہ اس کی بنیاد مرزا غلام احمد کے الہام والقاء پر ہے جو ان کے بقول وحی قرآنی کی طرح قطعی اور یقینی ہے۔ اور جو ہم مسلمانوں کے نزدیک قرآن مجید میں تحریف ہے۔

**ایمان بالملائکہ میں تحریف**

کتاب اللہ پر ایمان اور یوم آخرت پر ایمان اور عقیدے میں مرزا غلام احمد کی ترمیم اور حذف و اضافہ کے بعد اب ہم ملائکہ یعنی اللہ کے فرشتوں پر ایمان کو لیتے ہیں جو ارکان ایمان میں شامل ہے۔ مرزا غلام احمد اسی سورہ بقرہ کی تفسیر میں ذرا آگے چل کر آیت ۱۳۱ کی تشریح بیان کرتے ہیں۔ اس

آیت میں سوال وجواب مذکور ہے، جو خلافت ارضی کے لیے حضرت آدمؑ کی تخلیق کے وقت اللہ اور اس کے فرشتوں کے مابین ہوا۔ ملائکہ کے زیر عنوان مرزا غلام احمد لکھتے ہیں:

"سو وہ اشیاء خارجیہ جو ہماری روحانیت پر اثر ڈال کر شمس اور قمر اور عناصر کی طرح جو اغراض جسمانی کے لیے ممد ہیں، ہماری اغراض روحانی کو پورا کرتی ہیں، انہی کا نام ہم ملائکہ رکھتے ہیں۔"

(تفسیر سورہ بقرہ مذکورہ بالا، ص ۱۰۱ منقول از "آئینہ کمالات اسلام" ص ۱۳۳-۱۳۵ حاشیہ)۔

"قرآن کریم کی تعلیم کی رو سے فرشتے نجوم اور شمس اور قمر اور آسمان کے لیے جان کی طرح ہیں اور قیام اور بقا ان تمام چیزوں کا فرشتوں کے تعلق پر موقوف ہے اور ان کے ارجاء کی طرف کھسک جانے سے تمام اجرام ستاروں اور شمس و قمر اور آسمان کو موت کی صورت پیش آتی ہے تو پھر اس صورت میں وہ جان کی طرح ہوئے یا کچھ اور ہوئے"۔

(تفسیر سورہ بقرہ مذکورہ بالا، صفحہ ۱۰۱ منقول از "آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۱۴۳-۱۴۴ حاشیہ)۔

"قرآن شریف سے ثابت ہے کہ یہ سیارات اور کواکب اپنے اپنے قالبوں کے متعلق ایک ایک روح رکھتے ہیں جن کو نفس کواکب سے بھی نامزد کر سکتے اور جیسے کواکب اور سیاروں میں باعتبار ان کے قالبوں کے طرح طرح کے خواص پائے جاتے ہیں جو زمین کی ہر ایک چیز پر حسب استعداد اثر ڈال رہے ہیں ایسا ہی اُن کے نفوس نورانیہ میں بھی انواع اقسام کے خواص ہیں جو باذنِ حکیم مطلق کائنات الارض کے باطن پر اپنا اثر ڈالتے ہیں اور یہی نفوسِ نورانیہ کامل بندوں پر بشکل انسانی جسمانی متشکل ہو کر ظاہر ہو جاتے ہیں اور بشری صورت سے متمثل ہو کر دکھائی دیتے ہیں۔ اور یاد رکھنا چاہیے کہ یہ تقریر از قبیل خطابیات نہیں بلکہ یہ وہ صداقت ہے جو طالب حق اور حکمت کو ضرور ماننی پڑے گی"۔

(تفسیر سورہ بقرہ مذکورہ بالا، صفحہ ۱۱۳، منقول از توضیح مرام ص ۴۳-۴۵)۔

"بعض مقامات قرآن شریف میں اجسام کے ہر یک ذرہ پر بھی ملائک کا نام اطلاق کر دیا گیا ہے کیونکہ وہ سب ذرات اپنے رب کریم کی آواز سنتے ہیں اور وہی کرتے ہیں جو اُن کو حکم دیا گیا ہو۔ مثلاً جو کچھ تغیرات بدن انسان میں مرض کی طرف یا صحت کی طرف ہوتے ہیں۔ ان

تمام مواد کا ذرہ ذرہ خدا تعالیٰ کی مرضی کے موافق آگے پیچھے قدم رکھتا ہے۔"

"تفسیر سورہ بقرہ مذکورہ بالا صفحہ ۱۱۴) منقول از توضیح مرام صفحہ ۴۳ - ۴۵)۔

دوسرے لفظوں میں بقول مرزا فرشتوں کا وجود بس اتنا اور اس قدر ہے کہ وہ اجرام سماویہ بافوائے کائنات اور اجسام انسانی میں روح اور جان کا کام دیتے ہیں۔ اجرام و عناصر قالب ہیں اور فرشتے ان قوالب میں ارواح ہیں۔ سورج، چاند اور آسمان اس بنا پر ذی روح ہیں اور یہ روح اگر نکل یا کھسک جائے تو کائنات کی جان نکل جائے۔ یہ ایمان بالملائکہ کے عقیدے میں صریح تحریف ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر فرشتوں کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ وہ اجسامِ بشریہ اور اجرام فلکیہ میں جان کی حیثیت رکھتے ہیں تو پھر کلامِ الٰہی کے ساتھ ان کے انبیاء پر نزول کی حقیقت اور قدر و قیمت کیا باقی رہ جاتی ہے۔ پھر تو دین و ایمان سب فسانہ و فسوں بن کر رہ جاتا ہے۔ ملائکہ کا یہ تصور اسلام اور قرآن و حدیث کا تصور نہیں بلکہ یہ یونان کے کافر و مشرک فلاسفر سے مستعار لیا گیا ہے۔

**تعریف ملائکہ میں مزید تحریف**

اس کے بعد اب مرزا غلام احمد نے ملائکہ اور آیات مذکورہ کی (جن میں ملائکہ کی گفتگو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے) ایک دوسری تعریف و تفسیر بھی پیش کی ہے، لکھتے ہیں۔

"میری نسبت خدا نے میرے ہی ذریعہ سے براہین احمدیہ میں خبر دی کہ میں آدم کے رنگ پر ایک خلیفہ پیدا کرتا ہوں۔ تب اس خبر کو سن کر بعض مخالفوں نے میرے حالات کو کچھ اپنے عقائد کے برخلاف پا کر اپنے دلوں میں کہا کہ یا الٰہی کیا تو ایسے انسان کو اپنا خلیفہ بنائے گا کہ جو ایک مفسد آدمی ہے جو ناحق قوم میں پھوٹ ڈالتا ہے اور علماء کے مسلمات سے باہر جاتا ہے تب خدا نے جواب دیا کہ جو مجھے معلوم ہے وہ تمہیں معلوم نہیں۔ یہ خدا کا کلام ہے کہ جو مجھ پر نازل ہوا۔ اور درحقیقت میرے اور میرے خدا کے درمیان ایسے باریک راز ہیں جن کو دنیا نہیں جانتی اور مجھے خدا سے ایک نہانی تعلق ہے جو قابل بیان نہیں اور اس زمانہ کے لوگ اس سے بے خبر ہیں۔ پس یہی معنی ہیں اس وحی الٰہی کے کہ قَالَ اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ۔"

(تفسیر سورہ بقرہ مذکورہ بالا، صفحہ ۱۱۸۔ منقول از براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۶۴)۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن مجید، سورہ بقرہ آیت ۳۱ میں اللہ تعالیٰ نے جو واقعہ یاد دلایا ہے کہ

جب اس نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں اور فرشتوں نے کہا تھا کہ آپ زمین میں اس کو مقرر کر رہے ہیں جو فساد اور خونریزی کرے گا تو اس میں خلیفہ سے مراد مرزا غلام احمد اور سوال کرنے والے فرشتوں سے مراد مرزا کے مخالفین و معترضین ہیں۔ جن کو اللہ نے یہ کہہ کر [redacted] کرا دیا کہ جو کچھ میں جانتا ہوں، وہ تم نہیں جانتے۔ یہ اللہ کا کلام ہے جو مرزا غلام احمد پر نازل ہوا اور اس میں نعوذ باللہ وہ نکتہ سمجھایا گیا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور اُمت کے کسی شخص کو معلوم نہ تھا۔ کیونکہ ان میں سے کسی نے بھی آج تک اس آیت کا یہ مفہوم بیان نہیں کیا۔

**جنت و آدم کے قرآنی تصور سے انحراف**

اب اس کے بعد سورہ بقرہ، آیت ۳۶ کی جو تفسیر مرزا غلام احمد نے کی ہے وہ بھی قابل دید ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے کہا:

"اے آدم، تو اور تیری بیوی جنت میں رہو......" اس کی تشریح میں مرزا غلام احمد یوں لکھتے ہیں:

"اے آدم تو اور جو شخص تیرا تابع اور رفیق ہے، جنت میں یعنی حیات حقیقی کے وسائل میں داخل ہو جاؤ"۔

(تفسیر سورہ بقرہ ادارۃ المصنفین ص ۱۳۵ بحوالہ براہین احمدیہ جلد چہارم صفحہ ۴۹۶-۴۹۷ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۳

مگر ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

"اب یاد رہے کہ اس بندہ حضرت احدیت کی پیدائش جسمانی اس پیشگوئی کے مطابق بھی ہوئی یعنی میں توام پیدا ہوا تھا اور میرے ساتھ ایک لڑکی تھی جس کا نام جنت تھا اور یہ الہام کہ یَآدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ جو آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ کے صفحہ ۴۹۶ میں درج ہے اس میں جو جنت کا لفظ ہے اس میں یہ ایک لطیف اشارہ ہے کہ وہ لڑکی جو میرے ساتھ پیدا ہوئی اس کا نام جنت تھا اور یہ لڑکی صرف سات ماہ تک زندہ رہ کر فوت ہو گئی تھی۔ غرض چونکہ خدا تعالیٰ نے اپنے کلام اور الہام میں مجھے آدم صفی اللہ سے مشابہت دی تو یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اس قانون قدرت کے مطابق جو مراتب وجود دوریہ میں حکیم مطلق کی طرف سے چلا آتا ہے۔ مجھے آدم کی خو اور طبیعت

اور واقعات کے مناسب حال پیدا کیا گیا ہے چنانچہ وہ واقعات جو حضرت آدم پر گزرے منجملہ ان کے یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش زوج کے طور پر تھی یعنی ایک مرد اور ایک عورت ساتھ تھی اور اسی طرح پر میری پیدائش ہوئی یعنی جیسا کہ میں ابھی لکھ چکا ہوں میرے ساتھ ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی جس کا نام جنت تھا اور پہلے وہ لڑکی پیٹ میں سے نکلی تھی"۔

(تفسیر سورہ بقرہ مذکورہ بالا صفحہ ۱۳۰ منقول از تریاق القلوب صفحہ ۱۵۴، ۱۵۷)۔

**حج اجازتِ مرزا کے ساتھ مشروط** ارکانِ اسلام میں سے حج بیت اللہ ایک اہم رکن ہے - قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت نمبر ۹۷ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لله علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا (اللہ کا حق ہے لوگوں پر کہ وہ بیت اللہ کا حج کریں، جو اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو)۔ تمام اُمت کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص صحت اور مال کے لحاظ سے حج پر جانے کے قابل ہو اور رستے میں کوئی ناقابلِ عبور رکاوٹ نہ ہو، تو اُس پر حج فرض ہے۔

لیکن مرزا غلام احمد کہتے ہیں:

"ایک حج کے ارادہ کرنے والے کے لیے اگر یہ بات پیش آ جائے کہ وہ اس مسیح موعود کو دیکھ لے جس کا تیرہ سو برس پہلے سے اہلِ اسلام میں انتظار ہے تو بموجب نصِ صریح قرآن اور احادیث کے وہ بغیر اس کی اجازت کے حج کو نہیں جا سکتا"۔

(تفسیر سورہ آل عمران صفحہ ۱۳۴ - ادارۃ المصنفین، بحوالہ تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۴۷)۔

سخت حیرت و عبرت کا مقام ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تو ایسی کوئی شرط عائد نہیں کی کہ جو مسلمان مجھے دیکھ لے، وہ میری اجازت لیے بغیر حج نہ کرے، نہ قرآن مجید میں ایسی کوئی تصریح بلکہ اشارہ تک موجود ہے، نہ مسیح موعود کا لفظ قرآن و حدیث میں موجود ہے۔ لیکن جو شخص مسیح موعود ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اُمتی نبی ہونے کا مدعی ہے وہ حج کو اپنی اجازت کے ساتھ مشروط کرنے کی ناپاک جسارت کر رہا ہے۔

دوسری طرف مرزا غلام احمد اپنی جماعت کے جلسۂ سالانہ کے متعلق لکھتے ہیں:

"اس جگہ نفل حج سے ثواب زیادہ ہے اور غافل رہنے میں نقصان اور خطر

کیونکہ سلسلۂ آسمانی اور حکم ربانی ۔"

(آئینۂ کمالات اسلام صفحہ ۳۵۲)

**فریضۂ جہاد کی تنسیخ** جہاد و قتال فی سبیل اللہ بھی اسلام کا ایک بنیادی فریضہ ہے۔ جس کی اہمیت قرآن و حدیث میں مختلف مقامات اور متعدد پیرایوں میں بیان فرمائی گئی ہے۔ لیکن مرزا غلام احمد نے اس کی منسوخی کا اعلان کر دیا۔ حقیقۃ الوحی میں بعض اعتراضوں کے جواب کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں:

"مدافعت بقدر حملہ دشمن ہوتی ہے۔ پس جس قدر انسان پرستوں کو شرک پر غلو ہے وہ غلو بھی انتہاء تک پہنچ گیا ہے۔ اس لیے اب خدا آپ لڑے گا۔ وہ انسانوں کو کوئی تلوار نہیں دے گا اور نہ ہی کوئی جہاد ہو گا۔ ہاں، اپنا ہاتھ دکھلائے گا۔"

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"میں یقین رکھتا ہوں کہ جیسے جیسے میرے مرید بڑھیں گے ویسے ویسے مسئلہ جہاد کے معتقد کم ہوتے جائیں گے کیونکہ مجھے مسیح اور مہدی مان لینا ہی مسئلہ جہاد کا انکار کرنا ہے۔"

(تبلیغ رسالت، مرزا غلام احمد صفحہ ۱۷)۔

**تنسیخِ جہاد کی عجیب توجیہہ** "صحیح بخاری میں مسیح موعود کی صفات میں لکھا ہے کہ یضع الحرب یعنی مسیح موعود جب آئے گا تو جنگ اور جہاد کو موقوف کر دے گا۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ جب مسیح کی روحانی توجہ سے قہری نشان ظاہر ہوں گے اور لاکھوں انسان طاعون اور زلازل وغیرہ سے مریں گے تو پھر تلوار کے ذریعہ سے کسی کو قتل کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی اور خدا اس سے رحیم تر ہے کہ دو قسم کے شدید عذاب ایک ہی وقت میں کسی قوم پر نازل کرے یعنی ایک قہری نشانوں کا عذاب اور دوسرا انسانوں کے ذریعہ سے تلوار کا عذاب اور خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں صاف فرمایا ہے کہ یہ دو قسم کے عذاب ایک وقت میں جمع نہیں ہو سکتے۔"

(تجلّیات الٰہیہ ص ۱۱، مرزا غلام احمد، اشاعت قادیاں، ۲۹ رجون ۱۹۲۲ء)۔

یہ ساری تعبیر و تاویل جھوٹ کا پلندا ہے۔ بخاری شریف میں مسیح موعود اور ایسے عذابِ طاعون کا کہیں ذکر نہیں، نہ قرآن مجید میں یہ مذکور ہے کہ طاعون اور "تلوار کا عذاب" ایک وقت میں جمع نہیں ہو سکتے۔ حدیث میں یضع الحرب کے الفاظ حضرت مسیح ابن مریمؑ کے متعلق وارد ہیں مگر ان کی تشریح وہیں پر

جاتی ہے کہ حضرت مسیحؑ دجال اور اس کے پیروؤں کو قتل کرکے کفر کے وجود سے دنیا کو پاک کر دیں گے اور لڑائی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ قادیانیوں کے لیے کسی قرآن یا بخاری کی کتاب میں مسیح موعود کا ذکر ہو، تو اور بات ہے، ہمارے قرآن و حدیث میں یہ مضمون نہیں ہے کہ حضرت مسیحؑ قتال کے بغیر ہی طاعون کے ذریعہ سے لوگوں کا خاتمہ کر دیں گے۔

**برطانوی حکومت سے الہامی وفاداری**

جہاد سے اس دستبرداری کا ایک مقصد برطانوی حکومت اور ہر دوسری طاغوتی حکومت کو اپنی وفاداری کا یقین دلانا تھا۔ انگریزوں کی خوشامد میں انہوں نے اپنے بقول اتنی کتابیں لکھیں جن سے پچاس الماریاں بھر سکتی تھیں۔ مرزا غلام احمد کے اپنے الہام کی رُو سے انہیں پناہ دینے والی انگریزی حکومت ہی تھی۔ چنانچہ حقیقۃ الوحی کے عربی ضمیمہ میں پہلے لکھتے ہیں:

"فاوانا اللہ الی ربوۃ (اللہ نے ہمیں ربوہ میں پناہ دی)۔

پھر حاشیے میں ربوہ کی تشریح یوں کرتے ہیں:

"قد قال اللہ عزوجل فی القرآن واویناھما الی ربوۃ ذات قرار ومعین۔ ولما جعلنی اللہ مثیل عیسٰی جعل لی السلطنۃ البرطانیہ ربوۃ امن وراحۃ ومستقر احسنًا۔

(اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت مسیح اور ان کی والدہ کے متعلق فرمایا کہ ہم نے انہیں ایک بلند پرسکون اور چشموں والی جگہ پناہ دی اور مجھے چونکہ مثیلِ مسیح اللہ نے بنایا اس لیے سلطنت برطانیہ کو میرے لیے امن و راحت اور آرام و قرار کا ربوہ بنا دیا)۔

(ضمیمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۴۵)

مرزا غلام احمد نہ صرف خود انگریزوں کے الہامی وفادار اور نمک خوار رہے ہیں بلکہ انہوں نے اپنی آئندہ نسلوں پر بھی یہ فرض عائد کر دیا ہے کہ وہ حکومت برطانیہ کے ممنون رہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

"خدا تعالیٰ ابر رحمت کی طرح ہمارے لیے انگریزی سلطنت کو دور سے لایا اور وہ تلخی اور مرارت جو سکھوں کے عہد میں ہم نے اٹھائی تھی گورنمنٹ برطانیہ کے زیر سایہ آکر ہم سب بھول گئے اور ہم پر اور ہماری ذریت پر یہ فرض ہو گیا کہ اس مبارک گورنمنٹ برطانیہ کے ہمیشہ شکرگزار رہیں" روحانی خزائن جلد سوم صفحہ ۱۶۶ (ازالہ اوہام حصہ اول) ناشر شرکت اسلامیہ۔ ربوہ۔

**۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی مرزا کی نظر میں** | ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں شریک ہونے والے مسلمانوں کے متعلق ان کی رائے یہ ہے:

"انہوں نے ایک ناجائز اور ناگوار طریقہ سے سرکار انگریزی سے باوجود نمکخوار اور رعیت ہونے کے مقابلہ کیا۔ حالانکہ ایسا مقابلہ اور ایسا جہاد اُن کے لیے شرعاً جائز نہ تھا کیونکہ وہ اس گورنمنٹ کی رعیت اور ان کے زیر سایہ تھے اور رعیت کا اس گورنمنٹ کے مقابل پر سر اُٹھانا جس کی وہ رعیت ہے اور جس کے زیر سایہ امن اور آزادی سے زندگی بسر کرتی ہے سخت حرام اور معصیت کبیرہ اور ایک نہایت مکروہ بدکاری ہے۔ جب ہم ۱۸۵۷ء کے سوانح کو دیکھتے ہیں اور اس زمانہ کے مولویوں کے فتووں پر نظر ڈالتے ہیں جنہوں نے عام طور پر مہریں لگا دی تھیں کہ انگریزوں کو قتل کر دینا چاہیئے تو ہم بحر ندامت میں ڈوب جاتے ہیں کہ یہ کیسے مولوی تھے اور کیسے ان کے فتوے تھے۔ جن میں نہ رحم تھا نہ عقل تھی، نہ اخلاق نہ انصاف۔ ان لوگوں نے چوروں اور قزاقوں اور حرامیوں کی طرح اپنی محسن گورنمنٹ پر حملہ کرنا شروع کیا اور اس کا نام جہاد رکھا۔"

(روحانی خزائن جلد سوم صفحہ ۴۸۹ - ۴۹۰ بحوالہ ازالہ اوہام حصہ دوم)

**دعوائے رسالت و نبوت** | قرآن مجید چونکہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے آخری نبی اور رسول اور اُمت محمدیہ آخری ہدایت یافتہ اُمت ہے، اس لیے یہ امر قطعی ممنوع اور ناممکن الوقوع ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیدا ہونے والے کسی دوسرے شخص کو از سرِ نو نبوت عطا کی جائے، اس پر کلام الٰہی اور وحی نبوت کا نزول ہو، اس کی نبوت کا اقرار جزو ایمان اور انکار موجب کفر ہو۔ مرزا غلام احمد نے اگر نبوت کا دعویٰ نہ کیا ہوتا، تب بھی انہوں نے جس طرح ایمان و اسلام کے ارکان میں ترمیم اور نصوص قرآن میں تحریف کی ہے، (جس کے کچھ نمونے پیش کیے جا چکے ہیں) یہ تحریف دین ان کی تکفیر کے لیے بالکل کافی تھی۔ مگر انہوں نے نبی و رسول ہونے کا دعویٰ کر کے اور اس دعوے کو نہ ماننے والوں کو کافر ٹھہرا کر وہی سہی کسر بھی پوری کر دی ہے۔ مرزا غلام احمد پہلے تمہیدی دعووں کے ذریعے سے آخری دعوے کے حق میں زمین ہموار کرتے رہے۔ ۱۹۰۱ء تک انہوں نے کھل کر نبوت کے دعوے کی جرأت نہیں کی اور اس کی تو ساتھ تردید بھی کرتے رہے۔ اس کے بعد انہوں نے صاف طور پر اپنے نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ کر دیا۔

اگرچہ اس کے ساتھ ہر دور میں وہ متعدد اقسام کے دوسرے دعوے بھی کرتے رہے اور نبوت کے دعوے کو بھی بعض دوسرے اضافی الفاظ کے غلافوں میں لپیٹنے کی کوشش کرتے رہے تاکہ اُن کے متقدین آہستہ آہستہ اور بتدریج ان کے نت نئے دعووں کو سہارنے اور ہضم کرنے کے قابل ہو سکیں اور مخالفین میں دفعۃً کوئی شدید اور متفقہ ردِ عمل پیدا نہ ہو۔ لیکن ان ساری ترکیبوں کے باوجود جس آخری حد تک وہ جا پہنچے ہیں، وہ حد بالکل واضح اور متعین ہے اور اس کے لیے درج ذیل اقتباسات کفایت کرتے ہیں۔

"آخری زمانہ میں ایک رسول کا مبعوث ہونا ظاہر ہوتا ہے اور وہی مسیح موعود ہے۔"

(تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۵ مطبوعہ ۱۹۰۷ء)

"سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔"

(دافع البلاء صفحہ ۱۱ مطبوعہ ۱۹۰۲ء)

"مجھے بتایا گیا ہے کہ تو اس آیت کا مصداق ہے،

ھوالذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ۔"

(اعجاز احمدی صفحہ ۷، مطبوعہ ۱۹۰۲ء) (روحانی خزائن جلد سوم صفحہ ۱۰)

"ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول اور نبی ہیں۔"

(بدر ۵ مارچ ۱۹۰۸ء) منقول از روحانی خزائن جلد سوم صفحہ ۱۱۔

اپنے آخری خط مندرجہ اخبار "عام" ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء میں لکھتے ہیں:

"سو میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں۔ اگر میں اس سے انکار کروں تو میرا گناہ ہوگا اور جس حالت میں خدا میرا نام نبی رکھتا ہے تو میں کیونکر انکار کر سکتا ہوں۔ میں اس پر قائم ہوں اس وقت تک جو اس دنیا سے گزر جاؤں۔"

(روحانی خزائن حصہ سوم صفحہ ۱۱)

مرزا غلام احمد نے ان لوگوں کو صاف اور واضح طور پر کافر قرار دیا ہے جو انہیں نبی تسلیم نہیں کرتے۔ اس کا ثبوت درج ذیل عبارتوں سے فراہم ہو جاتا ہے:

"جو شخص تیری پیروی نہیں کرے گا اور تیری بیعت میں داخل نہیں ہوگا اور تیرا مخالف

رہے گا، وہ خدا اور رسول کی نافرمانی کرنے والا جہنمی ہے"۔

(اشتہار معیار الاخیار، مرزا غلام احمد منقول از کلمۃ الفصل مرزا بشیر احمد صفحہ ۱۲۹)

ایک مرید نے پوچھا کہ آیا آپ کی تکفیر کرنے والا اور صرف آپ کو نہ ماننے والا دونوں کافر ہیں ۔ آپ تریاق القلوب وغیرہ میں لکھ چکے ہیں کہ میرے نہ ماننے سے کوئی کافر نہیں ہوتا اور اب آپ لکھتے ہیں کہ میرے انکار سے کافر ہو جاتا ہے ۔ اس کا جواب مرزا غلام احمد یوں دیتے ہیں:

"یہ عجیب بات ہے کہ آپ کافر کہنے والے اور نہ ماننے والے کو دو قسم کے انسان ٹھیراتے ہیں حالانکہ خدا کے نزدیک ایک ہی قسم ہے کیونکہ جو شخص مجھے نہیں مانتا وہ اسی وجہ سے نہیں مانتا کہ وہ مجھے مفتری قرار دیتا ہے ۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ خدا پر افترا کرنے والا سب کافروں سے بڑھ کر کافر ہے جیسا کہ فرماتا ہے فمن اظلم ممن افترٰی علی اللہ کذبا او کذب بآیاتہ، یعنی بڑے کافر دو ہی ہیں ۔ ایک خدا پر افترا کرنے والا ۔ دوسرا خدا کے کلام کی تکذیب کرنے والا ۔ پس جبکہ میں نے ایک مکذب کے نزدیک خدا پر افترا کیا ہے اس صورت میں نہ میں کافر بلکہ بڑا کافر ہوا اور اگر میں مفتری نہیں تو بلاشبہ وہ کفر اس پر پڑے گا ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں خود فرمایا ہے ۔ علاوہ اس کے جو مجھے نہیں مانتا وہ خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا ۔ کیونکہ میری نسبت خدا اور رسول کی پیشگوئی موجود ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی کہ آخری زمانہ میں میری اُمت میں سے ہی مسیح موعود آئے گا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی خبر دی تھی کہ میں معراج کی رات میں مسیح ابن مریم کو ان نبیوں میں دیکھ آیا ہوں جو اس دُنیا سے گزر گئے ہیں اور یحییٰ شہید کے پاس دوسرے آسمان میں ان کو دیکھا ہے اور خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں خبر دی کہ مسیح ابن مریم فوت ہو گیا ہے ۔ اور خدا نے میری سچائی کی گواہی کے لیے تین لاکھ سے زیادہ آسمانی نشان ظاہر کیے اور آسمان پر کسوف خسوف رمضان میں ہوا ۔ اب جو شخص خدا اور رسول کے بیان کو نہیں مانتا اور قرآن کی تکذیب کرتا ہے اور عمداً خدا تعالیٰ کے نشانوں کو رد کرتا ہے اور مجھ کو باوجود صدہا نشانوں کے مفتری ٹھیراتا ہے تو وہ مومن کیونکر ہو سکتا ہے اور اگر وہ مومن ہے تو میں بوجہ افترا کرنے کے کافر ٹھیرا ۔ کیوں کہ میں ان کی نظر میں مفتری ہوں"۔

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۶۳ - ۱۶۴)

آگے چل کر مرزا غلام احمد پھر لکھتے ہیں۔

"کفر دو قسم پر ہے۔

(اوّل) ایک یہ کفر کہ ایک شخص اسلام سے ہی انکار کرتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو خدا کا رسول نہیں مانتا۔

(دوم) دوسرے یہ کہ مثلاً وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا اور اس کو باوجود اتمام حجت کے جھوٹا جانتا ہے جس کے ماننے اور سچا جاننے کے بارے میں خدا اور رسول نے تاکید کی ہے اور پہلے نبیوں کی کتابوں میں بھی تاکید پائی جاتی ہے۔ پس اس لیے کہ وہ خدا اور رسول کے فرمان کا منکر ہے کافر ہے۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں کیونکہ جو شخص باوجود شناخت کر لینے کے خدا اور رسول کے حکم کو نہیں مانتا وہ بموجب نصوص صریحہ قرآن اور حدیث کے خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا اور اس میں شک نہیں کہ جس پر خدا تعالیٰ کے نزدیک اوّل قسم کفر یا دوسری قسم کفر کی نسبت اتمام حجت ہو چکا ہے وہ قیامت کے دن مواخذہ کے لائق ہوگا۔"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۷۹ - ۱۸۰)۔

مندرجہ بالا اقتباسات سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ مرزا غلام احمد نے جس نبوت و رسالت کا دعویٰ کیا ہے، خواہ وہ ان کے بقول ظلی ہو یا بروزی ہو یا اس پر ان کے کہنے کے مطابق محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی مہر لگی ہوئی ہو، مرزا غلام احمد اور اُن کی تصدیق کرنے والوں کے نزدیک جو شخص بھی اس دعوے کو تسلیم نہ کرے وہ کافر اور غیر مسلم ہے، قیامت کے روز قابلِ مواخذہ اور جہنمی ہے۔ دوسری طرف دنیا بھر کے سارے مسلمانوں کے نزدیک مرزا غلام احمد کو سچا سمجھنے والے اور اُن کے دعاوی کی تصدیق کرنے والے سب لوگ کافر اور خارج از اسلام ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں کے بعض فرقے یا گروہوں (مثلاً شیعہ، سنی، دیوبندی، بریلوی) کے بعض افراد بھی ایک دوسرے کی تکفیر کر بیٹھتے ہیں (جس سے ہمیں اتفاق نہیں ہے)، لیکن ان میں سے کوئی شخص اپنے کسی منصب یا دعوے کے انکار کو بنائے تکفیر نہیں بناتا، نہ یہ کہتا ہے کہ اس پر اللہ کی وحی یا الہام نازل ہوا ہے۔

مسلمانوں کے متعلق فتوٰی | مسلمانوں کے متعلق مرزا غلام احمد اور ان کے بیٹوں کے جو عقائد و تصورات ہیں، ان کا مزید اندازہ ذیل کے اقتباسات سے ہوسکتا ہے۔ مرزا غلام احمد نے اپنے ایک لڑکے مرزا بشیر احمد (ایم۔ ایم۔ احمد کے والد) کو ایک وحی کی بنا پر قمر الانبیاء کا خطاب دیا ہے۔ مرزا بشیر احمد مذکور لکھتے ہیں:

"ہر ایک ایسا شخص جو موسیٰ کو مانتا ہے مگر عیسیٰ کو نہیں مانتا یا عیسیٰ کو مانتا ہے مگر محمد کو نہیں مانتا یا محمد کو مانتا ہے مگر مسیح موعود کو نہیں مانتا وہ نہ صرف کافر بلکہ پکا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔"

(کلمۃ الفصل صفحہ ۱۱۰، مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد قادیانی
مندرجہ ریویو آف ریلیجنز)

یہی مرزا بشیر احمد آگے چل کر لکھتے ہیں۔

"حضرت مسیح موعود نے غیر احمدیوں کے ساتھ صرف وہی سلوک جائز رکھا ہے جو نبی کریم نے عیسائیوں کے ساتھ کیا۔ غیر احمدیوں سے ہماری نمازیں الگ کی گئیں۔ ان کو لڑکیاں دینا حرام قرار دیا گیا، ان کے جنازے پڑھنے سے روکا گیا۔ اب باقی کیا رہ گیا ہے جو ہم ان کے ساتھ مل کر کر سکتے ہیں؟ دو قسم کے تعلقات ہوتے ہیں، ایک دینی دوسرے دنیوی۔ دینی تعلق کا سب سے بڑا ذریعہ عبادت کا اکٹھا ہونا ہے اور دنیوی تعلق کا بھاری ذریعہ رشتہ و ناطہ ہے۔ سو یہ دونوں ہمارے لیے حرام قرار دیئے گئے۔ اگر کہو کہ ہم کو ان کی لڑکیاں لینے کی اجازت ہے تو میں کہتا ہوں نصاریٰ کی لڑکیاں لینے کی بھی اجازت ہے اور اگر یہ کہو کہ غیر احمدیوں کو سلام کیوں کہا جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث سے ثابت ہے کہ بعض اوقات نبی کریم نے یہود تک کو سلام کا جواب دیا ہے۔"

(کلمۃ الفصل صفحہ ۱۶۹ مندرجہ از ریویو آف ریلیجنز)

مرزا بشیر الدین محمود جو مرزا غلام احمد کے دوسرے لڑکے اور خلیفہ ہیں، لکھتے ہیں:

"کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے، خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا، وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔"

(آئینہ صداقت مصنفہ مرزا بشیر الدین محمود احمد۔ خلیفہ قادیان صفحہ ۳۵)۔

مرزا بشیر الدین کی دو تقریریں ۲۱ اگست ۱۹۱۷ء اور ۳۰ جولائی ۱۹۳۱ء کے الفضل میں شائع ہوئی ہیں جو علی الترتیب درج ذیل ہیں:

"حضرت مسیح موعود نے فرمایا ہے کہ اُن کا یعنی مسلمانوں کا، اسلام اور ہے اور ہمارا اور، ان کا خدا اور ہے اور ہمارا اور، ہمارا حج اور ہے ان کا حج اور، اسی طرح ان سے ہر بات میں اختلاف ہے۔"

"یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں سے ہمارا اختلاف صرف وفات مسیح یا اور چند مسائل میں ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، غرض آپ نے تفصیل سے بتایا کہ ایک ایک چیز میں ان سے ہمیں اختلاف ہے۔"

اتنی بحث سے یہ حقیقت پایۂ ثبوت تک پہنچ جاتی ہے کہ مسلمانوں اور قادیانیوں کا اختلاف نہایت کلی، بنیادی اور اصولی اختلاف ہے۔ یہ کفر و اسلام کا اختلاف ہے۔ اس کا حل اور تصفیہ اس کے بغیر ممکن نہیں کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے اور اُن کی حیثیت اور تعداد کے لحاظ سے ان کے حقوق اور ان کی مذہبی اور سیاسی سرگرمیوں کے حدود متعین کیے جائیں۔

# مطبوعات

**سلوکِ محمدی** | تصنیف میاں محمد ظہور الدین احمد (مرحوم)، پرنسپل بہاؤ الدین کالج سونا گڑھ۔
ناشر ایم ضیاء الدین احمد ۴۳۔ زینت مینشن وڈ اسٹریٹ کراچی۔
آرٹ پیپر کے ۵۹۲ صفحات بڑا سائز آفسٹ کتابت طباعت۔ قیمت -/۵۰ روپے

احکامِ شریعت کا تعلق انسان کے ظاہری اعمال سے ہے۔ جبکہ سلوک و تصوف انسان کے باطن سے بحث کرتا ہے۔ ریاء سے پاک ہو کر خالصتاً خدا کی خوشنودی کے لیے کام کرنا، دل کو برُے خیالات اور اندیشوں سے بچانے کی کوشش کرنا، نوعِ انسانی کی بے غرضانہ خدمت کرنا اور بحیثیت مجموعی خلقِ خدا سے محبت کرنا تصوف کے اصول و مبادی ہیں۔

زیرِ نظر کتاب اس لحاظ سے نہایت قابلِ قدر کوشش ہے کہ اس میں سلوک و تصوف کا جو تصور دیا گیا ہے وہ تمام تر نبی آخر الزمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و ہدایات سے ماخوذ ہے۔ نمایاں عنوانات ملاحظہ ہوں۔ بنیادِ سلوک، محبت، مقامات سلوک، فرائض و واجباتِ سلوک، کائنات میں انسان کا درجہ اور اس کا توحیدِ باری تعالیٰ کے ساتھ تعلق، علم، غیر شعوری علم، اس کے اقسام، رویائے صادقہ، الہام، القاء، وحی، مقصد و معراجِ وحی، سلوکِ محمدی کے مقاصد۔ لطائفِ روح و نفس کی تربیت، شعورِ حق، اوراد و اذکار، سلوکِ محمدی پر عمل پیرا ہونے والوں کا روحانی ارتقاء اور ان کے مدارج۔

عام طور پر کتبِ تصوف ایسے مواد پر مشتمل ہوتی ہیں جن کا بیشتر تعلق کشف و کرامات سے ہوتا ہے اور ان کو پڑھ کر آدمی کے اندر سعی و عمل اور جد و جہد کرنے کا داعیہ پیدا ہونے کے بجائے کچھ مخصوص چلوں اور اوراد و وظائف پر توجہ مرکوز کرنے کا رجحان پیدا ہو جاتا ہے۔ یا پھر ذرا اونچے درجے کی کتبِ تصوف میں اصلاحِ ذات پر زور دیا جاتا ہے وہاں بھی خارجی ماحول اور اجتماع و معاشرہ کو تقریباً نظر انداز ہی کر دیا جاتا ہے اور

اس کے بگاڑ کے سدِ باب کی اجتماعی کوشش کم از کم ہمارے ماضی قریب کے زوال پذیر تصوف میں کہیں نظر نہیں آتی۔

اس کے برعکس زیرِ تبصرہ کتاب میں کشف و کرامات اور اصلاحِ ذات سے متعلق مباحث تو خیر اچھی خاصی تعداد میں موجود ہیں لیکن جہاد فی سبیل اللہ، تجدیدِ دین اور تحریک و عمل پیدا کرنے والی بھی کچھ چیزیں نظر آتی ہیں مزید برآں اس کے مطالعہ سے آدمی کو زندگی کے ظاہری و باطنی پہلوؤں کی اصلاح کے لیے اتباعِ اسوۂ محمدی کی نہایت زوردار ترغیب ملتی ہے اور ہماری رائے میں اس کتاب کا یہی سب سے زیادہ مفید پہلو ہے۔

مؤلف کا اندازِ تحریر سلجھا ہوا ہے ان میں کوئی روحانی غرور، احساس برتری اور ادعا پسندی کے آثار نظر نہیں آتے۔ اور نہ تصوف سے کورے حضرات کی انہوں نے کہیں خبر ہی لی ہے۔ ہماری رائے میں اپنی ظاہری و باطنی اصلاح کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیئے۔

کتاب میں بعض جگہ اندازِ بیان محتاط نہیں رہا مثلاً سلوک محمدی پر عمل کرنے والوں کا روحانی ارتقا بتاتے ہوئے فاضل مؤلف نے ایک ترکیب انصال باللہ کی بھی استعمال کی ہے۔ جس میں ذہن فوری طور پر کسی چیز کے ذاتِ حق سے متصل اور ملحق ہوجانے کا تاثر قائم کرتا ہے جو بجائے خود ٹھیک نہیں ہے۔ اگرچہ اس ضمنی عنوان کی تشریح کرتے ہوئے مصنف نے قاری کے اس اوّلین تاثر کو قائم نہیں رہنے دیا۔ ایسے ہی کچھ مقامات اور بھی ہیں جو اصلاح طلب ہیں۔

کتابت کی غلطیاں بھی کہیں کہیں رہ گئی ہیں۔ ایک جگہ (صفحہ ۵۰) حزب اللہ کو مذب اللہ لکھا گیا ہے۔ اسی طرح کلمہ طیبہ لا الہ الا محمد الرسول اللہ نظر آتا ہے (صفحہ ۵۸۹)۔ المحب لمن یحب مطیع کے لمن کو لئن میں تبدیل کر کے مفہوم کچھ کا کچھ بنا دیا گیا ہے صفحہ ۹۱۔

---

**علم تفسیر اور مفسرین** مؤلف ڈاکٹر رشید احمد جالندھری۔ ناشر المکتبۃ العلمیہ ۱۵۔ لیک روڈ لاہور۔
طباعت ٹائپ۔ سفید کاغذ کے ۱۱۰ صفحات۔ قیمت درج نہیں۔

زیر نظر کتابچہ دراصل ایک مقالہ ہے جسے ڈاکٹر رشید احمد صاحب نے انگریزی میں لکھا اور محمد سرور صاحب مدیر المعارف لاہور نے اسے اردو میں منتقل کیا۔ اس میں تفسیر بالروایت، تفسیر بالرائے اور صوفیانہ تفسیر کا جائزہ لیا گیا ہے جو پانچویں صدی ہجری تک کے تفسیری کام پر مشتمل ہے۔

ہم نے اس کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے اور اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ محترم مؤلف کی نظر میں نہ تو تفسیر بالروایت ہی صحیح تفسیر ہے اور نہ تفسیر بالرائے کو ہی صحت مند تفسیر کہا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ وہ خود کہتے ہیں۔

"یہی وہ زمانہ (صدر اول کا آخری دور) ہے جس میں قرآن کی تفسیر کے متعلق دو غیر صحت مندانہ اور ایک دوسرے کے مدمقابل طریقے بروئے کار آئے۔ ان میں سے ایک متکلمین کا اور دوسرا اصحاب الروایت کا طریقہ تھا"

جہاں تک صحت مند طریقہ تفسیر کا تعلق ہے اس کے متعلق مؤلف نے امام سیوطی کے حوالے سے یہ بات درج کی ہے کہ علماء کے نزدیک جو شخص قرآن کا صحیح مفہوم معلوم کرنا چاہتا ہے اسے سب سے پہلے اس کی تلاش خود قرآن ہی کے صفحات میں کرنی چاہیے۔ کیونکہ قرآن ایک جگہ کسی چیز کا اجمال کے ساتھ ذکر کرتا ہے تو دوسری جگہ اس کی مزید تفصیل بیان کر دیتا ہے ... یہ بات بجائے خود ٹھیک ہے مگر محقق علماء نے اس کے ساتھ جو بات بالاتفاق کہی ہے وہ یہ ہے کہ اگر قرآن میں کسی اجمال کی تفصیل نہ ملے تو سنتِ رسول کی طرف رجوع کیا جائے۔ اس کے بعد اقوالِ صحابہ دیکھے جائیں۔ اس کے بعد قرآن وسنت اور اقوال صحابہ کی روشنی میں ایسا مفہوم اخذ کرنے کی کوشش کی جائے جو لغتِ عرب اور زمانۂ نزول قرآن سے زیادہ سے زیادہ ہم آہنگ ہو ــــــ مگر اس طریقۂ تفسیر کو جناب مؤلف نے تفسیر بالروایت کے زمرہ میں لا کر غیر صحت مند قرار دے دیا ہے اور اپنے اس موقف کی تائید میں قدیم لٹریچر سے انہوں نے رطب ویابس کافی مواد جمع کر دیا ہے جسے دیکھ کر آدمی کا تفسیر کے معاملے میں کم از کم صحابہ وتابعین سے تو اعتماد اٹھ جاتا ہے ــــــ اس کے بعد ان کو بلحاظِ تفسیر کوئی چیز اگر اطمینان بخش نظر آتی ہے تو وہ صوفیانہ تفسیر ہے اس کی مثالیں جو موصوف نے بیان کی ہیں ان میں سے آپ بھی چند ایک سنیں۔ ویقیمون الصلوٰۃ سے مراد روح کی نماز ہے۔ والنجم اذا ھویٰ۔ قسم ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جب آپ واپس آئے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک دفعہ خدا سے پوچھا کہ وہ کہاں مکین ہے تو خدا کا جواب تھا ایک ٹوٹے ہوئے دل میں ــــ بہشت کے ہر درخت کے پتے پر آپؐ کا نام لکھا ہوا ہے۔

صحابہ سے جو تفسیر منقول ہے اس کے لیے فاضل مؤلف نے راویوں کی خوب خوب چھان بین کی ہے۔ مگر صوفیاء کی مذکورہ بالا اور اسی قسم کی دیگر تفاسیر کے لیے کسی اصولِ روایت ودرایت کا موصوف کو خیال نہیں آیا اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ جس آزادی فکر کے ساتھ وہ قرآن کو سمجھنا اور سمجھانا چاہتے ہیں اسی کے لیے صوفیا کی ایسی رمز واشارات پر مبنی تفاسیر اچھی مثال ہیں جبکہ سنت اور اقوالِ صحابہؓ آدمی کو کچھ پابند کر دیتے ہیں اور قرآن فہمی کے نام سے اُن کا غزال فکر آزادانہ چوکڑیاں نہیں بھر سکتا۔

ہماری رائے میں علم تفسیر اور مفسرین کا یہ پانچویں صدی ہجری تک کا جائزہ — جس میں بعد کے اکابر مفسرین اور ان کے کارناموں کا ذکر بہر حال نہیں کیا جا سکتا تھا — کچھ مخصوص مقاصد سے خالی نہیں جن میں سے ایک نہایت نمایاں مقصد فاضل مؤلف کے اپنے الفاظ میں یہ ہے "لیکن اس سے ہم اُن خدشات کا تو اندازہ کر سکتے ہیں جو قرآن کی تفسیر کے متعلق روایات کی کثرت کو دیکھ کر علماء کے دل میں پیدا ہو گئے تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہمیں تفسیر کے معاملے میں احتیاط سے کام لینا چاہیئے اور یہ کہ قرآن مجید کے ہر طالب علم کا فرض ہے کہ وہ اسے بہتر طریقے سے سمجھنے کے لیے ایک نئی کوشش کرے۔" (علم تفسیر اور مفسرین صفحہ ۱۸)

---

**پاکستان کی نظریاتی بنیادیں** | مصنف ڈاکٹر وحید قریشی - ناشر ایجوکیشنل ایمپوریم - النصویر ۲، چیمبرلین روڈ لاہور
بڑے سائز کے پونے تین سو صفحات - سفید کاغذ، کتابت طباعت عمدہ -
قیمت مجلد -/۱۵ روپے -

ڈاکٹر وحید قریشی صاحب ہمارے ملک کے نہایت معروف اصحاب علم میں سے ہیں انہوں نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ پڑھنے پڑھانے میں گزارا ہے اور مفقود رہبر نئی نسل کی خدمت کی ہے۔ زیر نظر کتاب میں موصوف نے نوجوان نسل کو یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ پاکستان کو بنانے کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی نیز اس کا قیام کن بنیادوں پر ممکن ہوا ہے؟ اور وہ بنیادیں کچھ لوگوں نے آج وضع کر لی ہیں یا علامہ اقبالؒ اور قائدِ اعظم جیسی عظیم ہستیوں نے قوم کی ترجمانی کرتے ہوئے قیام پاکستان سے بھی بہت پہلے پیش کی تھیں؟ ان تمام سوالات کا جواب ڈاکٹر صاحب نے اپنی زیر تبصرہ تصنیف میں نہایت سنجیدہ و متین زبان میں ٹھوس دلائل کے ساتھ دیا ہے —
"پاکستان کی فکری اور سماجی بنیادیں" — "نظریاتی بنیادیں اور اقبالؒ" — "نظریاتی بنیادیں اور قائدِ اعظم"
• "نظریاتی بنیادیں اور قرارداد پاکستان" — "نظریاتی بنیادیں اور مشرقی پاکستان" — "نظریاتی بنیادیں اور ہمارا آئین" - کتاب کے مندرجات کے نمایاں موضوعات ہیں۔

ہماری رائے میں یہ کتاب اس قابل ہے کہ پاکستان کے ہر تعلیم یافتہ نوجوان کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

---

(بقیہ اشارات)

مرزا صاحب اپنے آپ کو جس عظیم مرتبے کا حامل پیغمبر سمجھتے ہیں اور اپنی ذات کو پہلے انبیاء کے مقابلے میں جس قدر جلیل القدر خیال کرتے ہوئے نوع بشری سے اپنی اطاعت کا مطالبہ کرتے ہیں اور تنہا اپنی ذات کے ساتھ وابستگی کو ایمان کا لازمہ قرار دیتے ہیں اس کا اندازہ مندرجہ ذیل عبارت سے کیا جا سکتا ہے:

"ہلاک ہو گئے وہ جنہوں نے ایک برگزیدہ رسول کو قبول نہ کیا، مبارک وہ جس نے مجھ کو پہچانا۔ میں خدا کی سب راہوں میں سے آخری راہ ہوں اور اس کے سب نوروں میں سے آخری نور ہوں۔ بدقسمت ہے وہ جو مجھے چھوڑتا ہے کیونکہ میرے بغیر سب تاریکی ہے۔"

کشتی نوح ص۵۶ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی

یہ مرزا صاحب کے اسی طرز فکر کا نتیجہ ہے کہ اُن کے معتقدین ان کی ذات کو علم و عرفان کا ایک ایسا سرمدی سرچشمہ خیال کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی روحانی پیاس بجھانے کے لیے جاری کیا ہے اور جس سے سیراب ہوئے بغیر کوئی شخص بھی فلاح نہیں پا سکتا خواہ وہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا پوری طرح مطیع و فرمانبردار ہی ہو۔

"اے مسلمان کہلانے والو! اگر تم واقعی اسلام کا بول بالا چاہتے ہو اور باقی دنیا کو اپنی طرف بلاتے ہو تو پہلے خود سچے اسلام کی طرف آجاؤ جو مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی صاحب) میں ہو کر ملتا ہے۔ اسی کے طفیل آج بر و تقویٰ کی راہیں کھلتی ہیں۔ اسی کی پیروی سے انسان فلاح و نجات کی منزل مقصود پہ پہنچ سکتا ہے یہ وہی فخر اولین و آخرین ہے جو آج سے تیرہ سو برس پہلے رحمۃ العالمین بن کر آیا تھا اور اب اپنی تکمیل تبلیغ کے ذریعہ ثابت کر گیا کہ واقعی اس کی دعوت جمیع ممالک و ملل عالم کے لیے تھی۔ فصلی اللہ علیہ وسلم

اخبار الفضل قادیان ۴۱

مورخہ ۲۶ ستمبر ۱۹۱۲ء

انسان تڑپ اُٹھتا ہے وہ جب یہ دیکھتا ہے کہ کس طرح ایک بگڑا ہوا انسان جو مغربی سامراج کی پیداوار تھا وہ مکروہ فریب اور لاف و گزاف سے کام لیتے ہوئے زندگی کے ہر معاملے میں اس ذات مقدس کی ہمسری کا دعویٰ کر رہا ہے جو خدا کے بعد اس کائنات میں سب سے بزرگ و برتر ہے۔ مرزا صاحب کے دعاوی

کو اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ بات بالکل کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ وہ ہر منزل پر صرف اس ایک بات کے لیے کوشاں رہے کہ کسی طرح وہ اپنی ذات کے لیے لوگوں کے اندر وہ جذباتِ محبت و عقیدت پیدا کرسکیں جو مسلمان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رکھتے ہیں تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے وہ ہادی و مطاع مان لیے جائیں اور اُن کی زندگی لوگوں کے لیے اسوہ حسنہ کی شمع فروزاں کرسکے۔ مرزا صاحب نے عوام کے اندر جذبات کی یہ تبدیلی پیدا کرنے کے لیے مختلف قسم کے اقدام کیے۔ مثال کے طور پر ایک مسلمان جب بھی حضور سرورِ کائنات کے ساتھ اپنی عقیدت کا اظہار کرتا ہے تو وہ ان کی بارگاہ اقدس میں درود و سلام کا تحفہ پیش کرتا ہے۔ پھر حضور کے ساتھ سچی محبت اور وابستگی کے صدقے میں وہ اُن ساری خوش نصیب ہستیوں کے لیے مختلف انداز میں دُعا گو ہوتا ہے جنہوں نے ہمارے آقا و مولا کو ایمان کی حالت میں دیکھا یا اُن کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی سعادت حاصل کی۔ چنانچہ جب بھی حضورؐ کے صحابہ کا نام مسلمانوں کی زبان پہ آتا ہے تو ان مقدس ناموں کے ساتھ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا دعائیہ کلمہ بھی ان کی زبانوں سے ادا ہوتا ہے۔ اسی طرح ازواج مطہرات کا ذکر خیر کرتے ہوئے امہات المومنین اور حضورؐ کے اہل و عیال کا تذکرہ کرتے ہوئے اہل بیت کے القابات استعمال کیے جاتے ہیں۔ حضورؐ پر درود و سلام اور ان کے وابستگان کے لیے مختلف قسم کے دعائیہ کلمات زبان سے ادا کرنے اور معزز القابات سے انہیں یاد کرنے کا مقصد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور حضورؐ سے تعلق خاطر رکھنے کی بنا پر دوسرے افراد کی محبت مسلمانوں کے دلوں میں ہمیشہ جاگزیں رہے اور اسی محبت کو وہ اپنی زندگی کی بیش قیمت متاع سمجھتے ہوئے سینے میں پالتے رہیں۔ مرزا صاحب نے حضور کے ساتھ مسلمانوں کی اس جذباتی وابستگی کو کم کرنے کے لیے یہ سازش کی ہے کہ اپنی ذات اور اپنے متعلقین اور اہل خانہ کے لیے ان دعائیہ کلمات اور ان معزز القابات کو رواج دیا ہے جو حضورؐ کی ذات اور اُن کے وابستگان کے لیے مخصوص ہیں۔ آپ کسی قادیانی سے بات کریں تو وہ مرزا غلام احمد قادیانی کا نام زبان پہ آتے ہی سلام و درود بھیجنے لگے گا اور اس کے دوست کے لیے رضی اللہ عنہ کا دعائیہ کلمہ زبان سے ادا کرے گا۔ اسی طرح اس کی بیویاں ازواج مطہرات اور اس کے خاندان والے اہل بیت کے القابات سے یاد کیے جائیں گے۔

---

مرزا صاحب اور ان کے متوسلین نے صرف افراد کے معاملے میں عوام کے جذبات، محبت و عقیدت کا رخ

موڑنے کی کوشش نہیں کی بلکہ اسلام کے مقامات مقدسہ کی جگہ بعض نئے نئے مقامات کو خلعت تقدس پہنانے کی سعی کی ہے جن کا تعلق کسی طرح بھی ان کی ذات سے قائم کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ قادیان اور ربوہ کو اس حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے جس حیثیت سے اللہ تعالیٰ نے مکہ اور مدینہ کو پیش کیا ہے بلکہ بعض مقامات پہ تو قادیانی مذہب کے ان دو مراکز کے بارے میں یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ اب مکہ و مدینے کی جگہ قادیانیت کے دو شہر ہی انوار الٰہی کے مرکز ہیں۔ اسی بنا پر ایک قادیانی بزرگ نے ارشاد فرمایا ہے:

"جیسے احمدیت کے بغیر پہلا یعنی حضرت مرزا صاحب کو چھوڑ کر جو اسلام باقی رہ جاتا ہے وہ خشک اسلام ہے اسی طرح اس حج ظلی کو چھوڑ کر مکہ والا حج بھی خشک حج رہ جاتا ہے کیونکہ وہاں پر آج کل حج کے مقاصد پورے نہیں ہوتے۔

پیغام صلح جلد ۲۱ نمبر ۲۲

قادیانی مذہب کے اندر جذبات کی اس تبدیلی کا رجحان اس قدر شدید اور نمایاں ہے کہ وہ اس تقویم کے مقابلے میں جو حضور سرور دو عالم کی نسبت مسلمانوں کے اندر ۱۳۹۴ سال سے رائج ہے، نئی تقویم کو رواج دینے کی سر توڑ کوشش کر رہے ہیں تاکہ جس تعلق اور نسبت سے بھی ایک مسلمان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ رہ سکتا ہے اس تعلق اور نسبت کو یا تو ختم کر دیا جائے یا اسے اتنا کمزور بنا دیا جائے کہ اس میں زندگی کے کوئی آثار باقی نہ رہیں اور اس کے مقابلے میں مرزا صاحب کی شخصیت کی بنیاد پہ نئی نسبتوں اور نئے تعلقات کو معرض وجود میں لایا جائے اور لوگوں کو تلقین کی جائے کہ وہ جدید مذہب کے نئے روحانی مراکز کی طرف اپنی ساری توجہات مبذول کریں۔ اب اگر قادیانیت کے سرکاری ترجمان "الفضل" یا اس نئے مذہب کے بعض دوسرے رسائل پہ نگاہ ڈالیں تو وہاں تقویم کا ایک بالکل نیا نظام آپ کے سامنے آئے گا جو مرزا غلام احمد کی زندگی کے نشیب و فراز سے وابستہ ہے۔ قادیانیوں نے مسلمانوں کے اندر مروجہ تقویم کی جگہ مہینوں کے یہ نام تجویز کیے ہیں۔

صلح، تبلیغ، امان، شہادت، ہجرت، احسان، وفا، ظہور، تبوک، اخاء، نبوت، فتح

---

مندرجہ بالا تصریحات اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ قادیانیت اسلام کے دینی نظام کے مقابلے میں ایک نیا دینی نظام قائم کرنے کا عزم رکھتی ہے اس لیے وہ اپنے پیروؤں کو جدید نبوت، جدید مرکز محبت و عقیدت،

نئی دعوت، نئے روحانی مراکز، نئے مقامات مقدسہ، نئے مذہبی شعائر، نئے مقتدا، نئے اکابر، نئے عقائد، فکرو نگاہ کے نئے زاویے، افعال و اعمال کے نئے پیمانے، جذبات و احساسات کے نئے رُخ اور نئی اقدارِ حیات عطا کرتی ہے۔ اس کے سامنے معاشرے کی تعمیرِ نو کا ایک اپنا مخصوص نقشہ ہے جو اس نقشے سے بالکل مختلف ہے جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دینی معاشرے کی تعمیر کے لیے پیش فرمایا تھا۔ قادیانی بھی اس بات کا پورا پورا شعور رکھتے ہیں کہ وہ امت مسلمہ سے بالکل ایک الگ اُمت ہیں۔ مرزا بشیر الدین محمود کے اس بیان میں کوئی مبالغہ اور غلط بیانی نہیں کہ خود مرزا غلام احمد قادیانی کو اس امر کا نہایت واضح طور پر احساس تھا کہ وہ ایک مستقل مذہب کا بانی اور ایک مستقل اُمت کی تشکیل کرنے والا ہے جو دین اسلام اور امت اسلامیہ سے یکسر مختلف ہیں۔ مرزا بشیر الدین نے اپنے ایک خطبہ میں کہا:

> حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ میرے کانوں میں گونجتے رہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:
>
> یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں سے ہمارا اختلاف صرف وفات مسیح یا چند مسائل میں ہے۔ اللہ کی ذات، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ غرض کہ آپ نے تفصیل سے بتایا کہ ایک ایک چیز میں ہمارا ان سے اختلاف ہے۔
>
> (خطبہ جمعہ مرزا بشیر الدین محمود صاحب مندرجہ اخبار الفضل مورخہ ۳۰ جولائی ۱۹۳۱ء)
>
> حضرت خلیفہ اوّل نے اعلان کیا تھا کہ ان کا (مسلمانوں کا) اسلام اور ہمارا اسلام اور ہے۔
>
> (ایضاً مورخہ ۳۱ دسمبر ۱۹۱۴ء)

---

اسلام اور قادیانیت میں کس قدر بُعد وبیگانگی بلکہ مخالفت و مخاصمت ہے اس کا اگر جائزہ لینا ہو تو افکار سے ہٹ کر جذبات کی دنیا میں اس کا کھوج لگائیں۔ کہا جاتا ہے کہ انسان کے تصورات میں خواہ کتنا اختلاف ہو مگر جذبات کے دائرے میں ہر فرد دوسرے سے بڑا قریب ہوتا ہے بشرطیکہ ان میں سے کسی ایک کو دوسرے کے ہاتھوں کوئی ناقابلِ تلافی نقصان نہ پہنچا ہو۔ کوئی سنگ دل شخص ہی

دوسروں کی تباہی پر خوشی کے شادیانے بجاتا ہے۔ ایک حساس آدمی کا دل تو دشمن کی موت پر بھی تڑپ اُٹھتا ہے، کجا کہ وہ ان لوگوں کی بربادی پر غیر معمولی مسرت و شادمانی کا اظہار کرے جن سے وہ تعلق خاطر کا دعویدار ہو۔ چنانچہ دیکھیے کہ افراد، گروہوں اور قوموں کے مابین شدید اختلاف کے باوجود مصائب کے وقت ہمدردی کے سوتے پھوٹ پڑتے ہیں اور وہ اگر عملاً ایک دوسرے کی مدد کرنے سے قاصر ہوں تب بھی زبان کی حد تک اظہار ہمدردی ضرور کیا جاتا ہے۔ یہ 'شرف' صرف قادیانیوں کو حاصل ہے کہ وہ اپنے آپ کو امت مسلمہ کے ساتھ زبردستی چپکائے رکھنے کے باوجود افتاد کے وقت وہی طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں جو ایک دوسرے کی جان کے دشمن اور خون کے پیاسے بھی کم ہی کرتے ہیں۔ آج تک کسی سفاک سے سفاک شخص نے بھی اپنے دشمن کا جنازہ اُٹھتے وقت اپنے گھر میں چراغاں نہیں کیا، کیونکہ اس میں سنگدلی کے ساتھ ساتھ رذالت بھی پائی جاتی ہے مگر قادیانیوں نے ہر مرحلہ پر امت مسلمہ کے معاملے میں اسی شقاوت قلبی کا مظاہرہ کیا جس کی کسی ایسے انسان سے توقع نہیں کی جا سکتی جو اپنے پہلو میں دل رکھتا ہو۔ ۱۹۱۸ء میں سقوط بغداد کے المیہ پر مسلمان تو کیا غیر مسلموں نے بھی سخت صدمہ محسوس کیا۔ مسلمانوں کا تو کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں صف ماتم نہ بچھ گئی ہو اور کوئی فرد ایسا نہ تھا جو غم سے نڈھال نہ ہوا ہو لیکن اس عظیم صدمے کے وقت صرف قادیانیوں کو غیر معمولی خوشی محسوس ہوئی اور انہوں نے اس کے اظہار کے لیے قادیاں میں بڑے اہتمام کے ساتھ چراغاں کیا۔ الفضل نے، دسمبر ۱۹۱۸ء کی اشاعت میں اس کی تفصیل دی ہے۔

"حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں کہ میں مہدی موعود ہوں اور گورنمنٹ برطانیہ میری تلوار ہے جس کے مقابلے میں علمائے دین کی کچھ نہیں چلتی۔ اب غور کا مقام ہے کہ پھر احمدیوں کو اس فتح سے کیوں خوشی نہ ہو۔ عراق، عرب ہو یا شام ہم ہر جگہ اپنی تلوار کی چمک دیکھنا چاہتے ہیں۔ فتح بغداد کے وقت ہماری فوجیں مشرق سے داخل ہوئیں۔ ہماری گورنمنٹ برطانیہ نے جو بصرہ کی طرف چڑھائی کی اس کے محرک خدا تعالیٰ کے فرشتے تھے جن کو اس گورنمنٹ کی مدد کے لیے خدا نے اتارا۔"

جب فلسطین مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکلا تو اس وقت پوری اُمت مسلمہ بحر غم میں ڈوب گئی مگر قادیانی خوشی کے شادیانے بجانے میں منہمک ہوئے۔ اسی طرح سمرنا کی تباہی اور ترکی کی عارضی

شکست پر مسلمانوں کے دلوں پر جو زبردست چوٹ لگی اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ خلافت عثمانیہ کی بربادی ان کی ملی شیرازہ بندی کے لیے نہایت تباہ کن نتائج کی حامل تھی اس وجہ سے ہر مسلمان کی آنکھیں خون کے آنسو رلا رہی تھیں مگر قادیانی مسلمانوں کی اس تباہی پر بے حد مسرور تھے۔ اُن کے ان جذباتِ مسرت کو ۳ر دسمبر ۱۹۱۸ء کے الفضل میں دیکھا جا سکتا ہے:

۲۷ر ماہ نومبر کو انجمن احمدیہ برائے امداد جنگ کے زیر اہتمام اور حسب ہدایات حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ربوہ اللہ تعالیٰ گورنمنٹ برطانیہ کی شاندار اور عظیم الشان فتح کی خوشی میں ایک قابل یادگار جشن منایا گیا۔ نماز مغرب کے بعد دار العلوم اور اندرون حصہ میں روشنی اور چراغاں کیا گیا جو بہت خوبصورت اور دلکش تھا۔ احمدیہ بازار کے دونوں طرف اور منارۃ المسیح پر گیس کی روشنی کی گئی جس کا نظارہ بہت دلفریب تھا۔ مسیح موعود کے مکان پر بھی چراغ روشن کیے گئے۔ اس کے علاوہ تمام احمدیوں نے اپنے اپنے مکانات پر خوب روشنی کی۔

اس ضمن میں ترکوں کے بارے میں بھی ان لوگوں کے خیالات ملاحظہ ہوں:

"اگر ترکی حکومت مٹتی ہے تو مٹنے دو یاد رکھو کہ ترک اسلام نہیں۔"

(الفضل ۲۳ر مارچ ۱۹۱۵ء)

ترکوں کے مقابلے میں انگریز بہادر کی مدح و ثنا دیکھیے:

"واقعات بتا رہے ہیں کہ ترکان آل عثمان کا ستارہ غروب ہونے کے قریب ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ ایا صوفیہ کی متبرک عبادت گاہ اور ابوایوب انصاری کی قابلِ احترام سرزمین برطانیہ کے حریت پسند صداقت شعار فرزندوں کے ہاتھ آئے۔"

مندرجہ بالا اقتباسات پر ذرا غور فرمایئے اور پھر اندازہ لگایئے کہ کیا اُمت مسلمہ کا کوئی فرد یا گروہ اپنے ہی بھائی بندوں کے خلاف نفرت و عنادرت کے یہ جذبات اپنے دل میں پال سکتا ہے اور اس سنگ دلی اور قساوت قلبی کا مظاہرہ کر سکتا ہے جو مسلمانوں کے معاملہ میں قادیانی ہمیشہ کرتے رہے ہیں۔ اُمت مسلمہ پر جب بھی افتاد پڑی تو قادیانیوں کے دلوں کو سرور اور راحت حاصل ہوئی اور وہ وفور جذبات میں آپے سے باہر ہو کر ایسی عجیب و غریب حرکات کرنے لگے جن کی کسی معقول آدمی سے تو توقع نہیں کی جا سکتی۔ انسانوں میں شدید اختلافات کے باوجود مصیبت کے وقت دل ایک دوسرے

کے سامنے دھڑکنے لگتے ہیں کیونکہ ہر انسان کے اندر افکار و تصورات کی سطح سے نیچے ایک انسانیت بھی ہوتی ہے جو مصیبت کے وقت بیدار ہو کر دشمن کے لیے بھی رحم اور ہمدردی کے جذبات پیدا کر دیتی ہے۔ یہود نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کو جس قدر پریشان کر رکھا تھا وہ تاریخ کی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، پھر اسلام اور یہودیت میں جو اختلاف ہے وہ بھی کوئی سربستہ راز نہیں مگر اس کے باوجود حضور سرور دو عالم اُن کی مصیبت پر پریشان ہو جایا کرتے تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ کچھ لوگ حضور سرور دو عالم کے سامنے سے جنازہ لے کر گزر رہے تھے کہ حضورؐ کھڑے ہو گئے۔ اُن کی پیروی میں ان کے رفقاء بھی کھڑے ہو گئے۔ اُن میں سے ایک رفیق کار نے بارگاہ رسالت میں عرض کی:

یہ تو یہودیہ کا جنازہ ہے تو اس پر آپ نے ارشاد فرمایا:

موت ہر صورت میں موجب رنج ہی ہے۔

قادیانیوں کا مسلمانوں کے بارے میں انتہائی سنگدلانہ طرزِ عمل دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس ملت کے بانی نے مکر و فریب کا یہ سارا دھندا شروع ہی اس لیے کیا تھا کہ کفار کی تائید و حمایت بلکہ اس کی سرپرستی میں محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی اُمت کو تہس نہس کر دیا جائے اور اس وقت تک چین نہ لیا جائے جب تک کہ دنیا میں نبی آخر الزمان کا ایک غلام بھی موجود ہے۔

# TOWARDS UNDERSTANDING ISLAM

BY
SAYYID ABUL ALA MAUDUDI

Deluxe : Rs. 11.00
Paper Back : Rs. 8.00
Idara Tarjuman-ul-Quran Ichhra LAHORE